دلگداز

اپریل — مشہور لٹریری اور تاریخی ماہوار رسالہ — سنہ ۱۹۰۶ء

نمبر ۴ — جلد ۱۰

ایڈیٹر مولانا محمد عبد الحلیم صاحب شررؔ

منیجر۔ شیو بخش منیجر دلگداز و اتحاد

قیمت۔ مع محصول مکمل پرچہ مضامین و ناول و تاریخ سالانہ سے؍

اِن مین سے کوئی دو جُز لیے جائین تو " عہ؍

اور کوئی ایک ہی جُز لیا جاے تو " سعہ؍

منشی جے نراین ورما پریس خیالی گنج مین چھپ کے

لکھنؤ ... سے شائع ہوا

ریش مقدس

انسان کی متلون فراجیون کی جس قدر مکمل تصویر ڈاڑھیون کو دیکھ کے نظر آتی ہے اور کسی جگہ نہین دیکھ سکتے۔ تمام حیوانات اور خاصتہً طیور مین بری طرح نمایان ہے کہ قدرت نے نر کو مادہ مین کچھ نہ کچھ امتیاز ضرور رکھا ہے۔ نر کو بعض قسم کے پر بڑے یا زیادہ دیے ہین۔ جن مین طرح طرح کی رنگ آمیزی اور حیرت انگیز چمک دمک ہوتی ہے اور مادہ کی دلفریبی اور دلکشی مین چاہے کتنا ہی جذب واثر ہو مگر غیر جنس کی نظر مین نر کی زیبائی و رعنائی مادہ سے کہین زیادہ ہے۔ ہم اپنے شوق اور اپنے تقاضا نفس سے عورتون کو زیور پہناتے اور انھین ہر قسم کے سامان زینت سے آراستہ کرتے ہین۔ مگر قدرت نے اپنا خوشنما اور نظر فریب زیور نر ہی کو پہنایا ہے۔ اسی قدرتی زیورون سے ایک ڈاڑھی بھی ہے جو قدرت کی جانب سے مرد کو دی گئی ہے لیکن مردون نے بجاے قدر کرنے کے اس زیور مین ایسی ایسی قطع و برید کی اور اس مین ترمیم و تغیر کر کے ایسی ایسی وضعین بنائین کہ حیرت معلوم ہوتی ہے۔

ابتدائی زمانے مین جب کہ انسان نے زیادہ ہاتھ پاؤن نہین نکالے تھے اور جب تک نہ استرا ایجاد ہوا تھا نہ قینچی نہ کنگھی تھی نہ آئینہ۔ ڈاڑھیان اپنی سچی اصلی حالت پر رہین۔ جیسا کہ خدا نے انھین بنایا تھا۔ توراۃ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے منہ پر اچھی خاصی ڈاڑھی تھی۔ جو بظن غالب جھنڈولی اور ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ پاپایان روم کے ایوان مین

حضرت آدمؑ کا ایک پُرانا سنگی تابوت رکھا ہے جس پر آپ کی ایک تصویر بھی ترشی ہوئی ہے۔ اُس مین بھی سنگ تراش نے آپ کی اسی وضع کی ڈاڑھی تراشی ہے۔ روایت تورات کی بنا پر یہود نے اس سُنت آدمی کو اپنا اخلاقی قانون بنا لیا تھا اور ہر یہودی کے مُنہ پر لمبی چوڑی مقدس ڈاڑھی ضرور ہوا کرتی تھی۔ اور اُن کا اعتقاد تھا کہ ڈاڑھی کی جس قدر خدمت کی جائے اُسی قدر ثواب ہوتا ہے۔ کیونکہ ڈاڑھی خدا کی ایک متبرک ودیعت ہے۔ یہود کو اپنی ڈاڑھیون سے جس قدر محبت تھی اُس کا پتہ اس سے لگ سکتا ہے کہ مصر مین باوجودیکہ فراعنہ اور قبطی ڈاڑھی مُنڈاتے تھے اور اُن لوگون کو گویا ڈاڑھی سے عناد سا تھا مگر یہود نے اُن کی وضع کو ہرگز اختیار نہ کیا۔ اور مصریون کی غلامی کے بعد بھی اپنی ڈاڑھیان بچا کے نکل آئے۔

یہود ہی پر منحصر نہین اگلے زمانے کی اکثر شریف قومون مین ڈاڑھی ایک متبرک محترم چیز اور مردی و مردانگی کا تمغہ اور اُس کی شرافت و عزت کا مرکز خیال کی جاتی تھی۔ سچے آدمی کے لیے راست بازی کی نمایان علامت ڈاڑھی ہی تصور کی جاتی تھی۔ کوئی شخص کسی بڑے کام کا حوصلہ کرے اور کسی دشواری کے مقابلے کو تیار ہو جائے تو اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کے کہتا "انشاء اللہ!" کوئی کسی سے پناہ مانگے اور اپنے آپ کو اُس کی امان مین دینا چاہے تو اُس کی ڈاڑھی کو آہستہ و نرمی سے چھو لیتا۔ چنانچہ تاریخ توراۃ کا بہادر یوآب اپنے حریف اماسا کے سامنے گیا تو فریب کی راہ سے اُس کی ڈاڑھی چومی اور کہا "بھائی اچھے ہو؟" اماسا اس فقرے مین آ کے غافل ہو گیا اور یوآب نے اپنی تلوار اُس کے سینے مین بھونک دی۔ نیچے۔ عزیز و اقارب اور دوست احباب اپنے محترم عزیز یا دوست کی ڈاڑھی کو تعظیماً آہستہ سے ہاتھ لگاتے تو سمجھا جاتا کہ وہ نہایت ہی محبت و عزت سے پیش آئے۔ لیکن اگر کوئی شخص گستاخانہ حیثیت سے کسی کی ڈاڑھی پر ہاتھ ڈال دے تو سمجھا جاتا کہ اُس نے اُس کی سخت توہین کی۔ مصر مین فراعنہ اور امرائے قبط اگرچہ سب کے سب ڈاڑھیان مُنڈاتے تھے مگر معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے ذہن مین ڈاڑھی کی قدر و منزلت کا خیال

ضرور موجود تھا۔ چنانچہ بڑی عیدوں اور خاص تہواروں میں فراعنہ مصنوعی ڈاڑھیاں منہ پر لگا لیا کرتے تھے جیسا کہ ان کی تصویروں سے ظاہر ہوتا ہے اور مردہ دیوتاؤں کے چہروں پر بھی نوکیلی ڈاڑھیاں بنایا کرتے تھے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ حضرت موسیٰ کے زمانے والے فرعون کی ڈاڑھی موتیوں سے گندھی رہتی تھی۔

ادھر مشرق میں بھی ڈاڑھی کی قدر تھوڑی نہ تھی۔ شاہان فارس ڈاڑھی کے اوپر جو فولادی ریش پوش لگاتے اسے سونے کے تاروں سے گتھتے تھے۔ اور زبردست تاجداران نینوا اپنی گھونگھردار ڈاڑھیوں میں بٹیں ڈال کے اور کنگھی کر کے بڑے بناؤ سے گھر کے باہر نکلا کرتے تھے۔ پچھلے دنوں یہ بھی نظر آتا ہے کہ بعض ملکوں اور سلطنتوں میں محض ڈاڑھی کے باعث لڑائی چھڑ گئی۔ اور بڑی بڑی خونریزیاں ہوئیں۔ تاتاریوں اور ایرانیوں اور چینیوں اور تاتاریوں میں صرف اس اختلاف کے باعث لڑائی ہوئی کہ ایک قوم کہتی تھی ڈاڑھی مونڈی جائے اور دوسری کا دعویٰ تھا کہ مونڈی نہ جائے بلکہ اس کے بال اکھاڑے جایا کریں۔

یونانیوں اور رومیوں میں بھی ابتدا میں سب کے منہ پر ڈاڑھی ہوتی تھی۔ ان کے تمام فلسفی اور بڑے بڑے مشاہیر ڈاڑھی والے تھے۔ مگر حضرت مسیح سے تین سو برس پیشتر جب صقلیہ (سسلی) کے نائی وہاں پہونچے تو لوگوں نے ڈاڑھیوں کو خیرباد کہنا شروع کیا۔ لیکن اب جو ڈاڑھیوں کے منڈانے کا رواج ہوا تو اس شدت سے کہ "باربرین" کا لفظ جس کے معنے ڈاڑھی والے کے ہیں تمام وحشی قوموں اور ان جماعتوں کی نسبت استعمال کیا جانے لگا جو ان کے حلقۂ اثر سے باہر تھیں۔ مگر پھر بھی ان میں ڈاڑھی کی عزت کا اس قدر خیال ضرور موجود تھا کہ جو شخص عاقل و بالغ ہوتا اور اسے مرد آدمی کہنا چاہتے تو "بار ٹوس" یعنے صاحب ریش کہتے۔ اور اسی کا اثر تھا کہ ان کے نوخیز اور امرد لڑکے روز ٹھڈی میں تیل ملا کرتے کہ جلدی ڈاڑھی نکلے اور ہمارا شمار قوم کے بڑوں میں ہو۔ زمانۂ مابعد کے بعض قیاصرہ اور سلاطین کے منہ پر بھی ڈاڑھیاں

تھین۔ ان کے مصنفین ہومر۔ ورجل۔ پلنی۔ پلوٹارک۔ اسٹرابو۔ ڈیوڈورس جوونل اور پرشیوس نے ڈاڑھی کے متعلق اس قدر مباحث لکھے ہین کہ اگر ان کو جمع کیا جائے تو اچھا خاصہ لٹریچر تیار ہو جائے۔ یہ سب تو ڈاڑھی رکھنے کے مویدین تھے مگر قیصر روم جولین نے ڈاڑھی کی مذمت مین بھی ایک کتاب لکھ ڈالی لیکن باوجود اس مخالفت کے خود اس کے منہ پر اگلے فلسفیون کی تقلید مین جھنڈولی ڈاڑھی تھی۔ اور گو اس کے سارے جسم پر بال تھے مگر استرا سوا سر کے کہین نہین لگنے پاتا تھا۔ ہیرسیوس کہتا ہے کہ دانائی ڈاڑھی سے وابستہ ہے۔

یہ خیال اگلے دنون لوگون کے دماغ مین اس قدر بسا ہوا تھا کہ کسی بادشاہ نے ایک بے ریش وبروت لڑکے کو ایلچی بنا کے کسی دوسرے بادشاہ کے دربار مین بھیجا اس امرد سفیر کی صورت دیکھتے ہی اس نے سخت برہمی کے ساتھ کہا "میرے دربار مین ایک بے ریشے لونڈے کو سفارت پر بھیجا ہے؟" یہ سُن کے نوعمر ایلچی بولا "میرے آقا کو اگر یہ معلوم ہوتا کہ حضور کے نزدیک ڈاڑھی کی اسی قدر ضرورت ہے تو میرے عوض ایک بکرے کو بھیج دیتا"۔

اسکندر اعظم کے عہد مین معلوم ہوتا ہے کہ یونانیون اور مقدونیہ والون مین ڈاڑھی کا عام رواج تھا۔ مگر سکندر نے یہ بدعت ایجاد کی کہ سپاہیون کی ڈاڑھیان منڈوا دین۔ اور اس کارروائی کا محرک یہ خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو دشمن ان سپاہیون کی ڈاڑھی پکڑ پائین اور بے بس کر کے مغلوب کر لین لیکن اس کے بعد یورپ مین ڈاڑھیون کا پھر رواج ہو گیا۔ جس کا حال ہم آگے بیان کرین گے۔

قوم عرب مین مدت ہائے دراز سے ڈاڑھی رکھنے کا رواج چلا آتا تھا جس کو اسلام نے بھی شرافت ومردانگی کا تمغہ تسلیم کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ظہور اسلام کے زمانے تک یہ بات اہل عرب کے وہم وگمان مین بھی نہ تھی کہ کوئی شریف قوم ڈاڑھی منڈاتی ہے۔ صرف عجمیون اور مجوس کی نسبت اتنا جانتے تھے کہ ان کی ڈاڑھیان منڈی ہوئی ہین۔ جب دارا سے ایران خسرو پرویز کے

یمن سے مدینے میں آئے۔ اور حضرت رسالت کے مہمان ہوئے۔ تو اُن کی منڈی ہوئی
ڈاڑھیاں دیکھ کے آپ نے پوچھا "تم لوگ ڈاڑھی کیوں منڈاتے ہو؟" انھوں نے
کہا "ہمارے مالک کا یہی حکم ہے" یہ سُن کے آپ نے ارشاد فرمایا "اور مجھے میرے
مالک (خدا) نے مجھے ڈاڑھی کے چھوڑنے اور مونچھوں کے کتروانے کا حکم دیا ہے"
اسی واسطے آپ نے صحابہ کو تعلیم فرمائی۔ فطرت (انسانی یا ایمانی میں لیے اسلام
میں دونوں متحد ہیں) کا تقاضا یہ ہے کہ ڈاڑھی چھوڑ دی جائے اور مونچھیں کتروا
دی جائیں۔ حضرت رسالت کے اس ارشاد نے ڈاڑھی کا درجہ اور بڑھا دیا۔ صحابہ کی عام
وضع یہ تھی کہ لمبی ڈاڑھی اور کتری ہوئی مونچھیں۔ حضرت ابن عمر اور بعض دیگر صحابیوں کا معمول
تھا کہ مٹھی سے ڈاڑھی کو ناپتے اور جتنی بڑھی نظر آتی اُسے کاٹ ڈالتے۔ اور چاروں
طرف سے برابر کرنے کے لیے بھی کاٹتے تھے۔ مگر یہ بھی خاص خاص لوگوں کی وضع تھی
ورنہ عموماً سب کی ڈاڑھیاں مطلقاً چھوٹی ہوئی تھیں۔ اور مونچھیں اس قدر کتری ہوئی
کہ لب نظر آئے۔ اسلام اس وضع و ہیئت کی اشاعت کرتا ہوا عرب کی حدود سے باہر
نکلا۔ اور جہاں جہاں پہونچا وہاں ڈاڑھی کی قدر و منزلت بھی زیادہ ہو گئی۔ اور چند روز
میں شام و مصر ایران و توران اور افریقہ و اندلس میں جہاں دیکھیے نورانی ڈاڑھیوں
کا جلوہ نظر آ رہا تھا۔ اور حریف پر جتنا رعب ان ڈاڑھیوں کا پڑتا تھا کسی چیز کا نہ پڑ
سکتا تھا۔

مسلمانوں کی یہ عام وضع تھی کہ لمبی ڈاڑھیاں ہوتیں۔ اُن میں تیل ڈالا جاتا
کنگھی کی جاتی۔ اور سن رسیدہ شہسواروں کی ڈاڑھیوں پر کبھی مہندی کی سرخی
اور کبھی نیل کی سیاہی جلوہ دکھاتی۔ ڈاڑھی کو اپنی عزت سمجھتے۔ اور ساتھ ہی
خیال کیا جاتا کہ ڈاڑھی چونکہ مردانگی کا فطرتی زیور ہے لہذا عورتیں بھی بالطبع
ڈاڑھی والے مرد کو بے ڈاڑھی والے سے زیادہ محبوب رکھتی ہیں۔ ڈاڑھی
[illegible] سب سے بڑی شرم ہوتی۔ اور ڈاڑھی کی عزت کرنا سب سے بڑی خاطر داری
خیال کی جاتی۔ یہاں تک کہ بچوں کے ساتھ اظہار شفقت منظور ہوتا تو بڑے
بوڑھے اُن کی ٹھڈیوں کو اپنے ہاتھ میں لیتے۔ اور سمجھتے کہ گو ان کے ڈاڑھی
نہیں مگر ڈاڑھی نکلنے کی جگہ پر ہاتھ لگانا اُن کی عزت بڑھاتا ہے۔

اب بعد کا زمانہ آیا۔ اور مسلمان دیگر اقوام میں مل جل کے اُن کی وضع قطع اختیار کرنے لگے۔ پہلا تغیر تو بظن غالب عباسیہ کے آخری دور میں یہ ہوا کہ بعض مسلمان ایرانیوں کی تراش خراش سے متاثر ہو کے ڈاڑھیاں کٹوانے اور چھوٹی کرا لینے لگے۔ اور ڈاڑھی کی اُس اگلی عزت و حرمت میں کمی ہونے لگی۔ یہاں تک کہ عرب کے ہاتھ سے حکومت ہی نکل گئی۔ اور تاج و تخت کی وارث ترکی قوم ہوئی جس نے مختلف ممالک میں مختلف سلطنتیں قائم کیں۔ اور ہر سلطنت کے مسلمان اپنی قلمرو کے مقامی اثروں سے متاثر ہونے لگے۔ ادھر دولت عثمانیہ کے وارث تاج و دیہیم سلطان سلیم اول نے (جس کا زمانہ ۱۵۱۲ء سے ۱۵۲۰ء تک تھا) غالباً مسیحیوں کی وضع پسند کر کے سب کے پہلے ڈاڑھی کو خیرباد کہی۔ دوسرے دولت مغلیہ تیموریہ کے وارث شہنشاہ جلال الدین اکبر نے (جس کا عہد ۱۵۵۶ء سے ۱۶۰۵ء تک تھا) اپنے سالے سسروں کے اثر سے متاثر ہو کے ڈاڑھی کا صفایا بول دیا۔ ہندوستان میں اکبر کے اس فعل کو مسلمان سوسائٹی نے گو ناپسند کیا مگر سب نے ایسی خموشی اختیار کی کہ نہ کسی نے مخالفت کی آواز بلند کی اور نہ کسی نے بادشاہ کی وضع اختیار کی۔ مگر سلطان سلیم کی مخالفت نے ذرا زیادہ جوش دکھایا۔ گو سلطان کے سامنے کسی کو زبان کھولنے کی مجال نہ تھی مگر شیخ الاسلام نے جی کڑا کر کے پوچھا "حضور نے ڈاڑھی کیوں مُنڈا ڈالی؟" سلیم نے ہنس کے مسخراپن سے کہا "تاکہ وزیر کے ہاتھ میں میری کوئی ایسی چیز نہ آئے جسے پکڑ کے وہ مجھے جدھر چاہے کھینچ لے جائے۔"

مگر اسلام کی گرفت ایسی نہ تھی کہ اسلامی ممالک میں یورپ کی طرح بادشاہ کی وضع کا اثر عام سوسائٹی پر پڑ جاتا۔ نہ اکبر کی وجہ سے مسلمان شرفا و اُمرا نے ڈاڑھیاں مُنڈائیں۔ اور نہ سلیم کی وجہ سے ترکی اُمرا و ارکان دولت نے۔ بلکہ خود اُن کے جانشینوں میں بھی یہ وضع نہ قائم رہ سکی۔ اکبر کے بعد جہانگیر نے تو البتہ ڈاڑھی مُنڈائی تھی مگر بعد جو دیکھا گیا تو ساری دُنیا کے مسلمان تاجداروں کے مُنہ پر لمبی اور نورانی ڈاڑھیاں تھیں۔

اب موجودہ مسلمانوں کی ڈاڑھیوں کی طرف توجہ کرنے سے پہلے ہمیں یہ

دیکھنا چاہیے کہ ظہور نیر اسلام کے بعد یورپ کی سرزمین میں غریب داڑھی پر کیسی کیسی آفتیں نازل ہوئیں۔ اور وہاں اُسے کن کن مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ داڑھی نے نشیب و فراز عالم اور انسانی تلون مزاجیوں کے عجیب عجیب کرشمے اسی مغربی سرزمین میں دیکھے کہیں نہیں دیکھے تھے۔ کبھی بڑی بڑی لمبی داڑھیاں رکھیں اور کبھی صفا چٹ۔ مذہب عیسوی اگرچہ یہود میں سے نکلا تھا۔ اور حضرت مسیح و آپ کے حواری سب داڑھی والے بزرگ تھے مگر مذہب نے اس کی کچھ پروا نہ کی۔ کلیسائے روم و کلیسائے یونان میں جہاں اور اختلافات ہیں وہاں یہ بھی ہے کہ کلیسائے یونان داڑھی کا مؤید و حامی ہے اور کلیسائے روم غالباً رومیوں کے آخری مذاق کے پابندی میں داڑھی کے خلاف۔ بلکہ مغربی معتقد داڑھی کو عیب خیال کرتے ہیں۔ اس وقت خود پوپ اور اُن کے تمام کارڈنل (جن میں سے پوپ منتخب ہوتے ہیں) سب کی داڑھیاں خوب مُنڈی ہوئی ہیں۔ لیکن شاید یہ آخر عہد کے پاپاؤں کا بنایا ہوا قانون ہے کیونکہ قدیم الایام کے اکثر پاپا داڑھی والے تھے۔ نیپلز میں قدیم پاپاؤں کی مورتیں بڑے اہتمام سے تاریخی ترتیب سے رکھی ہیں۔ جن میں پوپ کلیمنٹ سابع (۱۵۲۳ء) سے لے کے پوپ اسکندر ہشتم (۱۶۸۹ء) تک کی مورتیں ترتیب وار نظر آتی ہیں۔ اور موجودہ پوپوں کی منڈی ہوئی داڑھی مونچھوں کے بعد اُن کے چہروں پر نظر ڈالیے تو حیرت معلوم ہوتی ہے۔ آخر عہد میں جب پوپ نے داڑھی منڈانے کا فتوے دیا تو ہر طرف داڑھیوں پر ظلم ہونے لگا۔ یہاں تک کہ بلجیم کے ریفارمروں نے خواہش کی کہ داڑھی والے مسیحی لامذہب اور دین عیسوی سے خارج تصور کیے جائیں۔

تیرھویں صدی عیسوی تک انگلستان میں بھی داڑھی رکھنے کا عام شوق تھا۔ مگر چودھویں صدی میں داڑھیوں پر ایسے ہاتھ صاف ہونے لگے کہ داڑھی والے چند ہی چہرے باقی رہ گئے تھے۔ ہنری ہشتم کے عہد میں لنکنز ان کے محترم رکنوں نے یہ قاعدہ جاری کیا کہ جس کے منہ پر داڑھی ہو وہ بغیر دونی فیس ادا کیے بڑے میز پر نہ بیٹھ سکے۔ لیکن ابھی تک اکثر لوگوں کو داڑھیاں

اس قدر عزیز تھین کہ باوجود ان جابرانہ قواعد کے ڈاڑھیون سے دست بردار نہ ہوتے تھے - چنانچہ ۱۵۵۵ء مین ملکہ مہری نے اپنے چار معزز اُمرا کو روس کے دربار مین سفیر بنا کے بھیجا تو اُن چارون کے چہرون پر ڈاڑھیان تھین - خصوصاً اُن مین سے ایک شخص جارج کلنگ ورتھ کی ڈاڑھی پانچ فٹ دو انچہ لمبی تھی - اس کی صورت دیکھتے ہی شہنشاہ روس "ایوان مہیب" کو بے ساختہ ہنسی آ گئی - جارج کی ڈاڑھی گھنی چوڑی اور زرد تھی - اور کھانے کے بعد ایوان اُس سے کھلونے کی طرح کھیلنے لگا -

لیکن انگلستان مین اُس کے بعد جب ملکہ الزبتھ کا زمانہ (۱۵۵۸ء سے ۱۶۰۳ء تک) شروع ہوا تو ڈاڑھیون پر قیامت ہی ٹوٹ پڑی - اس لیے کہ اس اقبالمند مگر درشت مزاج ملکہ کے حکم سے ڈاڑھیون پر محصول لگایا گیا - اور حکم جاری ہوا کہ ہر ڈاڑھی والا شخص اپنی ڈاڑھی کی طرف سے سالانہ ۳ شلنگ ۴ پنس محصول ادا کرے - اور جس کسی کے چہرے پر پندرہ دن استرا پھرے یعنے اُس کا خط بنے پندرہ دن کا ہو گیا ہو اُس کے ذمے یہ محصول واجب ہو جاے - ہم نہین جانتے کہ اُن دنون انگلستان مین نائیون کو ڈاڑھی مونڈنے کی کیا اُجرت دینی پڑتی تھی - لیکن اس مین شک نہین کہ یہ سرکاری ٹکس نائیون کی سالانہ اُجرت سے کسی قدر زیادہ ہی پڑتا ہو گا - کیونکہ انگلستان مین اُن دنون زندگی بسر کرنا اس قدر گران نہ تھا جس قدر کہ اب ہے - اور اس مین شک نہین کہ انگریزون مین جو رواج ہو گیا ہے کہ ہر شخص صبح کو منہ دھوتے وقت اپنی ڈاڑھی آپ مونڈ لیا کرتا ہے یہ اُسی دور کی برکت ہے - تاہم بہت سے لوگون نے اب بھی ڈاڑھی نہ مُنڈائی - بلکہ سرکاری محصول ادا کرنے سے اور زیادہ خوش ہو ہو کے اپنی ڈاڑھیون پر ہاتھ پھیرتے کہ محصول دینے پر بھی اِن کی محبت ہمارے دل مین باقی ہے - اس کے تقریباً نوے برس بعد پیٹر اعظم نے روس مین بھی ڈاڑھیون پر محصول لگا دیا - مملکت ہسپانیہ مین جو وہ عہد عروج پر تھی غالباً عربون کے اثر سے ڈاڑھی کی اچھی داشت ہوتی تھی - اور کل معززین کے چہرون پر ڈاڑھیان ہوا کرتی تھین - لیکن ۱۷۰۰ء مین فلپ پنجم کی تخت نشینی کے ساتھ

داڑھیون کی قسمت بھی پلٹ گئی۔ اُن کی بدنصیبی سے فلپ مذکور جو ساتھا یعنے قدرت ہی نے اُسے داڑھی کے زیور سے محروم رکھا تھا۔ داڑھی والون کی سوسائٹی مین اپنے اس پیدائشی نقصان کو وہ برداشت نہ کرسکا اور اپنی خفت مٹانے کے لیے حکم دیا۔ یا کہ تمام اُمرائے دربار داڑھی منڈا ڈالین۔ اور گو شاہی اثر نے داڑھی منڈانے کو اسپین کا فیشن بنا دیا مگر پھر بھی بہت سے لوگ داڑھی کو حسرت سے یاد کرتے اور ایک آہ کے ساتھ کہتے تھے "ہماری داڑھیون کے ساتھ ہماری جانین بھی چلی گئین"

پرتگیزون مین اس سے بیشتر داڑھی کی بڑی قدر تھی۔ اور وہ بھی عربون کی سُنّت پر چل رہے تھے۔ مگر جب زمانے کی ہوا بگڑی تو وہ بھی یورپ کے عام فیشن کے گردیدہ ہوئے۔ اور اس قوم نے بھی داڑھیون کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔

فرانس مین غالباً یورپ کے دیگر مقامات سے پہلے ہی داڑھیان منڈ گئی تھین۔ مگر مذہب ہی مین "روسکولنی کی" نام ایک مسیحی مبتدع فرقے نے دعویٰ کیا کہ خدا کی "ربانی صورت داڑھی مین ہے" تاہم پوپ صاحب کا منڈانے کا فتوےٰ سب پر غالب تھا۔ لیکن وہان داڑھیان منڈتے ہی منڈتے ایک ایسا زمانہ آگیا کہ یکایک داڑھی کا نصیبہ چند روز کے لیے از سر نو جاگ اٹھا۔ فرینسس اول جو فرانس کے رائل کالج اور رائل لائبریری کا بانی ہے ۱۵۱۵ء مین تخت پر بیٹھا۔ اُس کی ٹھوڑی پر ایک زخم کا داغ تھا جو نہایت ہی بدنما معلوم ہوتا تھا۔ اس عیب کے چھپانے کے لیے اُس نے داڑھی رکھ لی چند روز مین سارے دربار کا یہی فیشن ہو گیا۔ اور جسے دیکھیے اُس کے چہرے پہ داڑھی تھی۔ مگر فرینسس کے بعد پھر وہان زمانے نے داڑھی کے ساتھ سرد مہری کی۔

چند روز پیشتر آخری شہنشاہ فرانس نپولین نے ایک نئی وضع کی داڑھی رکھی یعنے دونون طرف گلے منڈے ہوئے اور ٹھوڑی پر داڑھی۔ کچھ دنون کے لیے فرانس کی یہی وضع رہی جس کا اثر اب بھی کسی قدر باقی ہے

اس کے بالکل برعکس جرمن کے بوڑھے شہنشاہ اور نیز روس و آسٹریا کے شہنشاہوں نے دونون جبڑون پر ٹھیکے رکھوائے اور درمیان مین ٹھوڑی مُنڈا ڈالی - یہ وضع یورپ کے بعض فوجی افسرون کو زیادہ پسند آئی - اور غالباً انھین کے دیکھا دیکھی ہندوستان کے بعض اُمرا نے بھی ٹھیکے رکھوا لیے - جس وضع کا زیادہ مشہور نمونہ فی الحال حضور نظام حیدرآباد میر محبوب علی خان بہادر کی ڈاڑھی ہے -

فی الحال یورپ مین ہر جگہ ڈاڑھی مُنڈانے کا عام رواج ہے - اور جو ڈاڑھی رکھے اُس کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ اُس کے مزاج مین صفائی نہین آج کل یورپ مین سب جگہ سے زیادہ ڈاڑھیان جرمنی مین نظر آتی ہین - اور اس کا کچھ رواج باقی بھی ہے تو اس قوم مین جو اکثر موقعون پر سلطان کی طرفداری کرتی ہے -

ابھی چند روز ہوئے جرمنی نقاش (مصور) جوہان ہایو کی ڈاڑھی دُنیا بھر مین سب سے بڑی ڈاڑھی تصور کی جاتی تھی - اور واقعی اتنی بڑی ڈاڑھی الف لیلہ کی پری بانو کے قصے کے سوا اور کہین نہین نظر آسکتی - اُس کی ڈاڑھی کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اتنی لمبی تھی کہ کھڑے ہونے مین بھی زمین پر لوٹا کرتی اور اکثر مجبور ہو کے وہ اُسے کمر مین لپیٹ لیا کرتا -

لیکن ہمارے موجودہ فرمان روا قیصر ہند حضور ایڈورڈ ہفتم نے اپنے زمانہ ولیعہدی ہی سے ایک نئی وضع کی چھوٹی اور نوکیلی ڈاڑھی ایجاد کی - جو مسلمانون کی شرعی حدود کے اندر آجاتی ہے اور اگر قوم مین "من تشبہ بقوم فہو منہم" کے مرض تفرق اتصال کا اندیشہ نہ پیدا ہو اور اس حدیث کا حکم صرف امور دینی تک محدود رکھا جائے تو یقین ہے کہ اس دور کی فیشن ایبل ڈاڑھیان خلاف شرع نہ سمجھی جائین گی - یہ ڈاڑھی اب یورپ مین بھی رواج پاتی جاتی ہے اور ہندوستان مین بھی - یہان تک کہ شہنشاہ روس نے بھی اپنے آبا و اجداد کی وضع کے خلاف اس وضع کی ڈاڑھی رکھ لی - اکثر شاہزادگان یورپ کے چہرون پر اس ڈاڑھی کا جلوہ نظر آرہا ہے - ابھی چند روز ہوئے ہمارے

ولی عہد سلطنت پرنس آف ویلز بہادر بھی ہیں اور ہمارے ملک میں تھے۔ اور
اُن کا خوب صورت چہرہ بھی اِسی ڈاڑھی کی خوشنمائی کا ثبوت دے رہا تھا۔

ہم تو سمجھتے ہین کہ اسلام کو ہمارے شہنشاہ کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ کیونکہ
اسلام ڈاڑھی کا سب سے زبردست حامی ہے۔ اور یورپ کی موجودہ دست
سے امید نہ تھی کہ کسی شخص کی بھی ڈاڑھی بچنے پاتی۔ ہمارے شہنشاہ کی توجہ سے
یہ غریب اُن کی زیر حمایت آگئی۔ ورنہ دوسری قومین درکنار مسلمانون کے منہ
پر بھی شاید اتنی ڈاڑھیان نہ ہوتین جتنی کہ اب نظر آتی ہین۔ سلیم اور اکبر کا
ڈاڑھی منڈانا تو مسلمانون پر کچھ اثر نہین ڈال سکا تھا مگر مغربی تہذیب کے
عروج اور یورپین اقوام کے میل جول سے اکثر ترقی یافتہ ممالک کے
مسلمان اپنے قومی کیرکٹر اور اپنے پُرانے حُلیون کو بھول گئے۔ سب
ایک سرے سے ڈاڑھی کو خیرباد کہی۔ اُدھر ترکون نے سب
منڈانی شروع کر دین۔ اِدھر ایرانیون نے۔ اور چونکہ یہ دونون ملک تمام اسلامی
مسلمانون کی سوسائٹی کے مرکز خیال کیے جاتے ہین لہذا دیگر ممالک کے
مسلمان بھی اِن کو دیکھ کے اور نیز مغربی حکام کی وضع و قطع پسند کر کے عموماً
ڈاڑھیان مُنڈانے لگے۔

ہندوستان کے مسلمانون مین سُنیون کے مقابل شیعون نے
ڈاڑھیون کی طرف سے پہلے بے پروائی کی۔ اُن کے مقتداؤن دین نے
بھی فتوے دے دیا کہ کوئی لمبی ڈاڑھی رکھنے پر مجبور نہین بلکہ ترشی جا سکتی
ہے۔ بس اتنی ڈاڑھی ہونی چاہیے کہ دور سے کوئی دیکھے تو یہ نہ سمجھے کہ منڈی
ہوئی ہے۔ مگر اُن کے پیرو اس حد سے گزر گئے۔ بے تکلف منڈانے لگے
اور لکھنؤ کا فیشن ہو گیا کہ ڈاڑھی ندارد اور مونچھین بڑی۔ تقریباً کچھ کم ایک
صدی سے ہندوستان مین یہ امتیاز چلا آتا تھا کہ شیعون کی ڈاڑھی منڈی
ہوئی اور سُنیون کے مُنہ پر ڈاڑھیان۔ یہان تک کہ انگریزی تعلیم اور علی گڑھ
کالج کے جدید فیشن نے یہ امتیاز بھی اُٹھا دیا۔ اور اب سُنی شیعہ سب
ایک وضع کے ہین۔

عالم خیال

جس طرح خواب مین دنیا کے بکھیڑون سے مخلصی پانے اور اس کی ظاہری ولربائیون اور نمایشی دلفریبیون کے ہجوم سے نکلنے کے بعد نیند کے آغوش مین آرام کرتے ہوئے۔ اپنی دل آویز شعبدے بازیون سے ہمارا دل لبھایا کرتا ہے۔ اسی طرح ہمارا خیال بھی ہمین اپنا موثر بامرقع دکھا کے ہماری راحت و مصیبت کا سہارا بن جاتا ہے۔ اس کی کرامات ہمین وہ وہ دلکش سین دکھاتی۔ اور اس کی معجز نما طاقت وہ وہ فرضے وار پردے ہماری آنکھون کے سامنے پیش کرتی ہے جو اور کسی عالم مین کبھی ہماری نظرون سے نہین گزرے۔

یہ تو اس کا ایک ادنے کرشمہ ہے کہ ہزارہا میل کی دشوار گزار مسافت چشم زدن مین طے ہو جاتی ہے۔ اس کے اڑن کھٹولے مین بیٹھ کے ہم ایک آن کی آن مین کہین سے کہین جا پہونچتے ہین۔ یا تو ایک ایسی بستی مین مقیم ہوتے ہین۔ کہ جہان بے رونقی برس رہی ہے۔ اور چارون طرف حیرت و یاس نے اپنا مضمحل کر دینے والا اثر پیدا کر رکھا ہے۔ یا اس خیالی گھوڑے پر سوار ہو کے ایک ایسے شہر مین پہونچ کے دم لیتے ہین جس کے در و دیوار سے صدا خوش آیند آ رہی ہے۔ کانون مین بجز دلکش نغمون کی آوازون اور جوش مسرت کے نعرون کے اور کوئی آواز نہین آتی۔ اور وہان عشرت و عیش کی وہ صحبت گرم ہے کہ راجہ اندر کی پریون سے رونق پانے والی فرضی محفل بھی اس کے سامنے سونی پڑ جائے۔

خیال ہی کی تیز رو گاڑی مین سوار ہو کے ہم منٹون مین دنیا بھر کے عجائبات کو دیکھ آتے ہین۔ اگر ایک لمحہ مین کوہ ہمالیہ کی نظر فریب برف آلود چوٹیان ہماری سیرگاہ اور تماشہ گاہ ہوتی ہین تو دوسرے سکنڈ مین عرب اور افریقہ کے ویران صحرا ہماری دشت نوردی کے لیے موجود ہوتے ہین۔ کبھی خیال کرتے ہی ہم جہاز پر سوار ہوتے ہین۔ اور سمندر کے زبردست تھپیڑون سے

بیٹھے ہوئے کرۂ ارض کا دورہ کر آتے ہین۔ اُن اُن جگہون مین ہمارا گزر ہوتا ہے جہان فرشتون کی بھی رسائی محال ہے۔

ہم زمانے کی خشک مزاجی اُس کی کج خلقی۔ آسمان کی ستمگری۔ اُس کی کینہ وری کے ہمیشہ شاکی ہین۔ اکثر کہا کرتے ہین کہ انھین کی شرارتون سے ہمارے کامون مین ڈھیل پڑ گئی۔ انھین کے بے رحم ہاتھون سے ہماری کامیابیون کی کمند ٹوٹ گئی اور ہم اس طرح مُنہ کے بل گرے کہ باوجود ہمہ پاؤن مارنے کے پھر نہ سنبھلے۔ اتفاق کے ٹیڑھے پن کا شکوہ ہمیشہ ہمارا ورد زبان رہا کرتا ہے۔ جب ہم اپنی کوششون مین ناکام رہ جاتے ہین تو سب سے پہلے اسی کو کوسنے لگتے ہین۔ غرض یہ خیال ہمارے دل مین بڑی پختگی اور مضبوطی کے ساتھ جم گیا ہے کہ اگر ہمارے راستے مین کانٹے بونے والی اور ہمارے ارادون کو پورا نہ ہونے دینے والی کوئی چیزین ہین تو یہی زمانہ۔ فلک اور تقدیر ہین۔ ہم ہر وقت انھین کا رونا روتے اور انھین کا دکھڑا لیے پھرتے ہین۔ اور سمجھ چکے ہین کہ جب تک ان کی سازشین جاری ہین اپنے ارادون مین ہرگز کامیابی نہین ہو سکتی۔ بارہا ایسا ہوا ہی ہے کہ جب ہم اپنی کوتہ اندیشیون کی وجہ سے ٹھوکر کھا کے گرتے ہین اپنے ارادے مین ناکام و نامراد رہ جاتے ہین۔ تو اپنے تئین ہمیشہ کے لیے مایوس خیال کر لیتے ہین لیکن حیرت کا مقام ہے کہ اس حسرت و اندوہ کی حالت مین ہمین تسلی دینے اور ہمارے دل کو اُبھارنے والا بھی فوراً پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ کون ہوتا ہے؟ یہی خیال اُسوقت اپنی پیاری صورت دکھا کے ہمارے ارادون تمناؤن اور ارمانون کو اس خوبصورتی اور عجلت سے پورا کر دیتا ہے کہ خود ہمین حیرت ہوتی ہے کہ ہماری تسکین کیونکر ہو گئی۔

اُس سراپا حجاب معشوقہ کے کوچے مین عاشق جانباز کی رسائی ایک اسی جان فروش رہنما کے ذریعے سے ہوتی ہے جو زمانے کی دشواریون کے علاوہ اپنی آفت جان نازکی کے باعث دو قدم بھی دہلیز کے باہر نہین جا سکتی۔ عاشق خستہ جان کا خیال اُسے کافرادا معشوقہ کے کوچے ہی مین نہین بلکہ خاص اُسکی خلوت گاہ مین پہونچا دیتا ہے۔ وہ اپنی معشوقہ کو اپنے سامنے اور برافگندہ نقاب

پا لیتا ہے۔ اور خیال ہی کی زبردست طاقتون سے یہان تک قدرت حاصل کر لیتا ہے کہ اُسے اپنے نزدیک مکالمہ اور وصال کا لطف بھی حاصل ہو جاتا ہے

اس کی سیر کرتے ہوئے ہمارا اُن تفریح گاہون مین گزر ہوتا ہے جن کو دیکھتے ہی ہماری وہ تھکاوٹ جو حسرت و ناکامی کے پُر درد عالم مین پیدا ہوئی تھی رفع ہو جاتی ہے۔ ہماری بیقراریون کا آناً فاناً خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور اپنے خیال کے سبے ہوئے گلستان مین اپنی مردہ آرزوئین کے شگفتہ اور دل لُبھانے والے پھول دیکھ لیتے ہین۔ اُنکی بھینی بھینی مہک اگر ہمارے مردہ دل کو تر و تازگی بخشتی اور دماغ کو تازہ کرتی ہے تو ترستی ہوئی خشک آنکھون کو ٹھنڈک پہونچاتی ہے۔ ہم اس جانفزا چمن کی جو عالم خیال کی حیرت انگیز کرامات کا ادنے ثبوت ہے بڑی آزادی سے گل گشت کرتے اور خوش رویان باغ سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہین۔ وہ خیالی شاہدانِ چمن جو یار کے رنگ و بُو کے علاوہ اپنی جانبکدستیون سے اُسکے ناز و انداز کو بھی اُڑا لائے ہین۔ ہماری آنکھون کے سامنے اور ہماری گرفت مین ہوتے ہین۔ ہم ان وہمی پھولون کے عالم فریب حُسن کو دیکھتے اُنکی روح پرور خوشبو کو سونگھتے اور اُن کے نازک رُخسارون کو چومتے ہین۔ غرض وہ وہ حرکتین کرنے لگتے ہین جو کسی خوش نصیب عاشق کو وصل کی مختصر اور پُر شوق گھڑیون مین اپنے گل اندام معشوق سے کرنی چاہیے۔

سچ پوچھیے تو قوت متخیلہ خدا کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ جو انسان کو عطا ہوئی ہے۔ یہی ہے جو ہماری تنہائی کا مونس اور ہماری اُداسی کو خوشی سے بدلنے والی ہے۔ ہم نے عجائبات روزگار کی داستانین زمانے سے سُنین۔ دل مین اُن کے دیکھنے کا اشتیاق بڑھا لیکن علائق زمانہ اور طرح طرح کی مجبوریون نے سارے جوش و خروش کا خاتمہ کر دیا۔ کو مایوس ہو کے بیٹھ گئے۔ لیکن ہمارا شوق کچھ ایسا نہ تھا کہ مایوس ہوتے ہی دلکو ہمیشہ کے لیے سکون ہو جاتا۔ شوق و آرزو کا دریا پھر موجزن ہوا۔ تو فوراً عالم خیال نے ہماری آنکھون کے سامنے ان تمام شُنی شنائی چیزون کا ہو بہو نقشہ کھینچ دیا۔ اور اب ایسی تسکین ہوئی کہ گویا ہمارے دل مین کبھی کوئی آرزو تھی ہی نہین

ہمارے دوست اور عزیز و اقارب جو ہمین نہایت ہی عزیز تھے۔ کثر

ہماری خوشی اور غمی کی صحبتون مین شریک ہوا کرتے تھے اور جن کے بغیر اب ہماری محفلون مین حسرت برستی ہے - اسی خیال کے ذریعے سے ہمین ہر روز ملتے ہین - گو ایک عرصہ ہوا کہ اُنھون نے اپنے تعلقات اس دُنیا سے قطع کر لیے لیکن ہم اُنھین زندہ اور اُسی پُرانی وضع و شان مین دیکھتے ہین - کچھ اِسی پہ منحصر نہین ہمین جب کبھی اپنے وہ احباب جن کو زمانے کے بے رحم ہاتھون نے ہم سے جُدا کر کے بہت دور پھینک دیا ہے - یاد آتے ہین تو اُسی بے تکلفی اور آسانی سے ہم اُن سے بھی مصافحہ کر لیتے ہین -

وہ بزرگ جنھین خدائے عز و جل نے یہ قدرت عطا فرمائی ہے کہ کشف قلوب سے بہت سی ایسی باتین جو فہم و قیاس سے بالا ہین جان لیتے ہین اور اکثر راز نہان اور رموز پوشیدہ کو سمجھ لیتے ہین اور اہل کشف کہلاتے ہین - اگر اپنے آپ پر ناز کرین (اور وہ نہین کرتے) تو موزون ہے - کیونکہ وہ قدرت کی بہت بڑی نعمت پر متصرف ہین - لیکن اے ہمارے قیمتی اور واجب التعظیم خیال ہم تیرے بل پر اپنے آپ پر جس قدر ناز ان نہون تھوڑا ہے - تیری سادہ اور سہل ترکیب کے سامنے ہمین کسی کشف کی ضرورت نہین - اور کشف کے لیے شاید تنہائی کی ضرورت ہو - لیکن تیرا آسان عمل کسی خاص جگہ کا محتاج نہین - خلوت و جلوت مین تیرا جلوہ نظر آجاتا ہے - جس طرح کنج تنہائی اور خاموشی مین تیرے حیرت انگیز سین دیکھتے ہین بھری محفلون - عام جگھون اور شور و غل مین بھی تیری شعبدہ بازی کے نمونے دیکھ لیتے ہین -

تیرے طفیل سے ہم اُن صالحین سے بے تامل ملاقات کرتے ہین کہ جن کی پاکیزہ صحبت مین شریک ہوتے ہوئے اُن پاکبازون کا رعب و جلال دلون پر حاوی ہو جاتا ہے اور ہم اصالتاً اُن کے سامنے حاضر ہونے سے جھجکتے ہین - لیکن تیری وکالت یہ مرحلہ بڑی آسانی سے طے کر دیتی ہے - تیری دستگیری ہمین انبیاء علیہ السلام سے ملا دیتی ہے - ہر اولیاے کرام و علما کو تیرے توسط سے دیکھتے ہین - تو نے ہمارے لیے دشوار گزار

راستون کو سیدھا اور صاف بنا دیا ہے - ہم بڑی آسانی سے اپنے ہادی برحق حضرت رسالت پناہ کی خدمت اقدس مین صرف تیری ہی امداد سے حاضر ہوتے ہین - اُن کا نورانی جمال اپنی مادی آنکھون سے دیکھتے - اُن کی بلند پایہ عظمت اور مرتبہ رکھنے والے پاکیزہ کلام کو اپنے ناچیز کانون سے سُنتے اور نقل علے کے نعرے بلند کرتے ہین - تو ہمین کہان نہین لے گیا - اور کہان ہماری رسائی نہین ہوئی - عرش معلے پر ہم پہونچے - بہشت و دوزخ کو ہم نے دیکھا اور تو اور ہم نے اُس نور بے مثال ولا زوال کو بھی دیکھ ڈالا جس کی تجلی نے طور پر کسی پر غش کا عالم طاری کر دیا تھا - اور جس کی آرزوے دید مین موسیٰ کو لن ترانی کا جواب ملا تھا -

نوشتۂ تقدیر کو ہم سے پوشیدہ رکھا گیا ہے اس کی نسبت ہم کچھ نہین جانتے - لیکن کسی وقت تو ہماری آنکھون مین کوئی ایسا الوپ انجن لگا دیتا ہے کہ ہم عنوان کو سمجھ کے اپنی آئندہ قسمت کا فیصلہ کر لیتے ہین - غریب و بے کس تیری بدولت خوشی کی جھلکیان دیکھ لیتا ہے - اور راحت طلب امیر اپنے پھولے پھلے باغ کو ہمیشہ سرسبز و شاداب رہنے والا خیال کر کے دُنیا و مافیہا کو بھول جاتا ہے - کم سن و حور خصال بیوہ اپنے جوانمرگ شوہر کی حسرت نصیب تصویر کو تیرے مرقع مین دیکھ کے تسکین حاصل کر لیتی ہے، اور نوجوان دولھا اپنی پیاری اور وفادار بی بی کو جو چند ہی روز ہوئے کہ اُس کے پہلو سے زبردستی چھین لی گئی زندہ اور ہنستی بولتی ہوئی دیکھ لیتا ہے - غرض کون ہے جو تجھ سے فائدہ نہین اُٹھاتا - اور کون ہے جسکو تو نے مدد دینے مین بخل کیا -

راقم - شیخ محمد عبد الخالق برق
انارکلی لاہور

کارخانہ عطر بابو اودھ بہاری لال رگھوناتھ پرشاد تاجر عطر پل غلام حسین متصل کشمیری محلہ لکھنؤ

جن چیزون کو ذوقِ سلیم اور لطفِ زندگی سے تعلق ہے اُن کے اعتبار سے لکھنؤ ہمیشہ مشہور رہا ہے عطر کی تجارت کا مرکز کبھی قنوج تھا۔ اور آج لکھنؤ ہے لکھنؤ نے عطرون مین لطافت کی ایسی خوشگواری پیدا کی ہے جو اور کسی شہر کے عطرون مین نہین۔ یہ کارخانہ بغیر اس کے کہ کبھی اشتہار دیا گیا ہو مدت دراز سے اپنی خوش معاملگی مین مشہور ہے۔ فی الحال اشتہار دینے کی یہ ضرورت لاحق ہوئی کہ اول تو ہم نے کارخانے کے نئے قواعد کی رو سے عام خریدارون کو عطرون پر فی روپیہ اور خوشبودار تیلون پر فی روپیہ کمیشن دینا منظور کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ کارخانے مین نئی قسم کے روح افزا اور تازگی بخش عطر خاص اہتمام سے تیار کیے گئے ہین جو خوشبو مین اچھے اور پایدار اور قیمت مین سستے ہین۔ ملاحظہ ہو فہرست مندرجہ ذیل۔

روح پانڑی فی تولہ سے
روح خس فی تولہ سے
روح گلاب فی تولہ سے
عطر کیوڑہ فی تولہ سے ۶ر
عطر گلاب فی تولہ سے ۸ر
عطر موتیا فی تولہ سے ۶ر
عطر جوہی فی تولہ سے
عطر سہاگ فی تولہ سے ۱۲ر
عطر خس فی تولہ سے
عطر مولسری فی تولہ سے ۶ر
عطر چمپا فی تولہ سے ۶ر
عطر گل فی تولہ ۱۲ر سے ۶ر
عطر برگ حنا فی تولہ سے ۱۲ر
عطر حنا فی تولہ سے ۸ر
اعطر اگر خالص فی تولہ سے
اعطر ناگیسر اصلی فی تولہ سے

عطر مشک فی تولہ سے ۸ر
عطر سنگترہ فی تولہ سے ۸ر
عطر فتنہ فی تولہ سے ۸ر
عطر نارنگی فی تولہ سے ۱۲ر
عطر نگینہ فی تولہ سے ۸ر
عطر مجموعہ فی تولہ سے ۶ر
عطر سیوتی فی تولہ سے ۱۲ر
عطر بہار فی تولہ سے ۱۲ر
عطر چنبیلی فی تولہ سے ۱۲ر
روغن بیلہ فی سیر سے ۱۰ر
روغن جوہی فی سیر سے
روغن حنا فی سیر سے
روغن کیوڑہ فی سیر سے
روغن مصالحہ فی سیر سے ۱۲ر
قوام تمباکو مشکی خوشبودار فی تولہ
گولیان مشکی سادہ فی تولہ ۱۲ر سے ۱۰ر

کھنہ خوشبودار مشکی ٹکیان فی
کیوڑہ دار سیر تمبا کو زعفرانی فی سیر
دوسرا سیر فی تولہ
چنی تمباکو نہایت تیز خوشبودار فی
سے سستی خوشبودار فی سیر
سے۔ عرق کیوڑہ فی بوتل
سے ۸ر عرق گلاب فی بوتل
سے ۶ر عرق بیدمشک
فی بوتل سے ۸ر
عرق نعناع فی بوتل سے
شربت انار فی بوتل سے
ضوابط۔ صرف تیل یا عرق کی
فرمائش کرنے کے واسطے روپیہ پیشگی
آنا چاہیے اگر عطر کے ساتھ تیل
بھی طلب کیا جاے گا تو چہارم قیمت
پیشگی آنا چاہیے۔ صرف عطر

قوم کُرد

دولت عثمانیہ کے ایشیائی علاقے مین ایک ملک ہے جو اسی قوم کا مسکن ہونے کے باعث کُردستان کہلاتا ہے۔ یہ ایک مسلمان اور پُرانی قوم ہے۔ گو اس مین تعلیم نہین اور تمدن ابتدائی زمانے کا ہے۔ مگر بڑی بہادر شریف اور تاریخی قوم ہے۔ ایران کی اگلی اور قدیم تاریخ مین کلدانیون کا دور مشہور ہے جو کبھی ایران و عراق اور سارے ایشیاے کوچک کی مالک تھے اُسی قوم کی موجودہ نسل غالباً یہ قوم کُرد ہے۔

صلیبی لڑائیون مین سلطان صلاح الدین اعظم کا نہ مٹنے والا نام ساری دُنیا مین مشہور ہے۔ وہ بھی اسی قوم کا ایک مشہور و معروف بہادر تھا جس نے بہادری، رحمدلی فیاضی اور دینداری غرض جملہ انسانی اوصاف کے لحاظ سے اپنا نام جریدۂ عالم پر ثبت کر دیا ہے۔ یہ لوگ فی الحال دولت عثمانیہ کی فوج مین بھرتی کیے جاتے ہین۔ اور اقوام عالم کے مقابل بڑے زبردست مسلمان سپہگر ثابت ہوئے ہین۔ اور گو عثمانی ہلال کے آگے سر جھکائے ہوئے ہین مگر نہایت درجے کے آزاد مشرب اور غیر مطیع ہونے مین عربون کے ہم مذاق ہین۔ اور ایشیاے کوچک کے مشرق مین جو بلند اور کوہستانی قطعات زمین ہین اُن پر کوہستان طورس سے لے کے کوہ قاف تک پھیلے ہوئے ہین۔ مگر اُن کے وطن مین بھی نصف کے قریب آبادی دوسری قومون کی ہے۔

کُرد دو قسم کے ہین جو اخلاق و عادات۔ معاشرت و تمدن حتے کہ خط و خال مین بھی ایک دوسرے سے بدلے ہوئے ہین۔ ایک تو خانہ بدوش کُرد جو جنگ جو

فیاض اور زندہ دل لوگ ہین۔ دوسرے زراعت پیشہ گروہ جو بستیون مین آباد اور اقامت گزین ہو گئے ہین۔ یہ خاموش امن پسند اور اطاعت کیش لوگ ہین جن مین [illegible] بھی بہت کم نظر آتی ہے۔ گروہون مین اصلی زبردست اور صاحب اوصاف قوم وہی ہے جو [illegible] پیش ہے۔ اُن کے حُلیے نہایت ہی اچھے اور شریفانہ ہین۔ تنومند تندرست۔ سڈول ہاتھ پاؤن۔ اُبھری پیشانیان۔ لمبی خمدار ناکین۔ تیز نگاہ اور [illegible] آنکھین جو عموماً سیاہ اور بعض کی شربتی یا نیلگون ہوتی ہین۔ چھوٹے دہانے۔ اور گول ٹھوڑیان۔ اُنھین نہایت ہی معزز و ممتاز ثابت کرتی ہین۔ اُن کی عمرین بہت بڑی ہوتی ہین۔ چلنے مین اُن کا قدم مضبوط پڑتا ہے اور وضع اور چال ڈھال سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا اُنھین اپنے اوپر بڑا ناز ہے۔ یہ باتین [illegible] مین باور کرا دیتی ہین کہ گویا اپنے ملک اور اپنے وطن کے اصلی مالک یہی ہین۔ خوب صورت بچون کو دیکھیے تو گورا چہرا اور گلابی رُخسار سے قدرتی صحت و خوش [illegible] کا اعلےٰ نمونہ دکھاتے ہین۔ اور مستعدی و تیزی۔ چلت پھرت۔ اور چالاکی۔ زندہ دلی و پھرتی کی تصویرین نظر کے سامنے پیش کرتے ہین۔

سب سے زیادہ دلفریب اُن کی عورتون کا حُسن و جمال ہے۔ خصوصاً علاقہ [illegible] کی گروہ وحشین جسمانی خوشنمائی اور انسانی رعنائی کا سب سے اعلےٰ نمونہ تسلیم کی گئی ہین۔ ایک یورپین سیاح مسٹر [illegible] جنھون نے ایک مدت تک ان کوہستانی [illegible] مین قیام کیا تھا اور بہت سی گرو عورتون کو دیکھا تھا ایک حسین و نازنین گرو لڑکی کا سراپا عجیب دلکش الفاظ مین ادا کرتے ہین۔ وہ لکھتے ہین اُس کے گال دیکھ کے مجھے جنت الفردوس کے ممنوع پھل کی شادابی یاد آ گئی تھی۔ آنکھین نیلگونی اور لمبی پلکون کی چلمن مین سے ہیرے کی سی [illegible] دے رہی تھین۔ لباس اگرچہ [illegible] درجے کا نہ تھا مگر اُس کی شکنون سے بھی خوب صورت پنڈے کی دلفریب نمایش [illegible] تھی۔ لیکن ان سب باتون پر غالب اُس کی متانت سنجیدگی اور اُس کا بھولا پن تھا۔

زراعت پیشہ گروہون کی تعداد سپہگر اور خانہ بدوش گروہون کے مقابل چوگنی یا چھگنی ہے۔ مگر جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہین قومی خصائل ور قدامت

چونکہ اُن کا ملک اکثر ایرانیون اور ترکون کا رزم گاہ ہے جن مین اغراض سلطنت ہی کا اختلاف نہین بلکہ ایرانیون کی شیعیت اور ترکون کی سُنیت کے باعث مذہبی نزاع بھی ہے۔ لہذا پچھلی کئی صدیون مین یہ ملک ان دونون قوتون اور اثرون کے درمیان مین حرکت مذبوحی دکھاتا رہا کبھی اس فریق کا ساتھ دیا اور کبھی اُس فریق کا۔ دونون مذکورہ سلطنتون کی جنگ و پیکار مین قوم کُرد کو بارہا سخت آفتون کا سامنا کرنا پڑا۔ اور کردون کی قومیت مٹ جانے کے متعدد اسباب پیش آئے بلکہ دونون جانب سے اس بات کی کوشش کی گئی مگر انھون نے آج تک اپنے لیے ایک ایسی حالت قائم رکھی ہے جسے نیم آزادی کے لفظ سے تعبیر کرنا چاہیے۔ کیونکہ اُن پر انھین کے سردارون کے ذریعہ سے حکومت کی جاتی ہے اور اُن کے عوام کو کم محسوس ہونے پاتا ہے کہ سوا اپنے شیوخ اور آغاؤن کے وہ کسی اور کے بھی تابع فرمان ہین۔ خلاصہ یہ کہ وہ دولت عثمانیہ کے مطیع ہین محکوم نہین۔ اور گو اُن کی قوم مین آج نہ کوئی شاہی خاندان ہے نہ کسی قسم کا نظام حکمرانی ہے۔ نہ کوئی پرانا مذہب باقی ہے اور نہ کوئی قدیم لٹریچر۔ مگر پھر بھی اُن کی قومی بندشین نہایت مضبوط ہین اور صرف گزشتہ صدی مین تین بار کوشش کی کہ ترکون کی غلامی سے آزاد ہو جائین۔

یہ عام طور پہ باور کر لیا گیا ہے کہ وہ کلدانیون کی یادگار ہین مگر اُن مین بعض اور قومین بھی مل جُل گئی ہین۔ بلاد بکتان اور ہکاری کے بعض کُرد خاندان اپنے آپ کو خاندان بنی اُمیہ کی جانب منسوب کرتے ہین۔ مگر اس سے زیادہ حیرت کی یہ بات ہے کہ مقام بنہ کے بعض سرداران کُرد دعوے کرتے ہین کہ اُن کے خون مین انگریزی خون بھی ملا ہوا ہے۔ اس لیے کہ اپنی دادیون مین کیخان نام ایک قدیم الایام کی عورت کو بتاتے ہین جو انگلستان سے آئی تھی۔ غالباً صلیبیون کی یہ روایت محض کہانی نہین ہے کہ دوسری صلیبی لڑائی کے وقت (جس کا زمانہ ۱۱۴۷ء سے ۱۱۴۹ء تک تھا) فرنگیون کی ایک جماعت شمال مشرقی اضلاع مین بہت ماری ماری پھری مگر دا ایسی کا

رستہ نہ ملا تو بے دست و پا ہو کے کردستان کے پہاڑوں میں سکونت پذیر ہو گئی تھی۔

کردوں کے مکانات اسی وضع کے ہیں جیسے کہ ان کے ہم وطن ارمینیوں کے ہیں۔ ہر مکان میں ایک گلی تنور رہا کرتا ہے جو اپلوں سے گرم کیا جاتا ہے اور اوپر بیٹھ کے عورتیں پتلی پتلی روٹیاں پکاتی اور نیز پتیلیوں کو زنجیروں میں باندھ کے اس میں لٹکاتی اور ابالنے کی چیزیں ابالتی ہیں۔

ملک کا زیادہ حصہ قابل زراعت نہیں۔ ضرور ہے کہ کہیں کہیں شہروں اور بڑے بڑے گاؤں کے آس پاس نظر آتی ہیں۔ مگر قبائل کرد کا ذریعہ بسر اوقات زراعت نہیں بلکہ چراگاہ ہیں موسم سرما میں وہ پانی اور سبزہ زاروں کی تلاش میں اپنے بڑے بڑے گلوں کو ساتھ لیے ہوئے ایک بلندی سے دوسری بلندی پر پھرتے رہتے ہیں۔ اور ان کے قبائل کا کوچ دائمی ایک عجیب نظارہ ہوتا ہے۔ گرہستی کا مال و اسباب بیلوں پر لدا ہوتا ہے۔ اور جن ماؤں نے اپنے بچوں کے گہوارے اپنی پیٹھوں پر نہیں باندھ لیے ہیں ان کے بچے بھی مع گہوارے کے بیل کی پیٹھ پر ہوتے ہیں۔ مردوں کا غول الگ ہوتا ہے اور عورتوں کا غول الگ۔ مرد اپنے اسلحہ کے سوا اور کوئی چیز لے کے نہیں چلتے۔ ان کی پیٹیوں میں ایک بڑا بھاری اور وزنی ڈنڈا آویزاں ہوتا ہے جو کمر کے برابر لٹکا کرتا ہے اور ڈھال تلوار پیٹھ سے لگی رہتی ہیں وہ صرف گلے کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور گویا اور کسی چیز سے انھیں علاقہ نہیں۔ مال و اسباب بال بچوں اور گرہستی کے کل سامان کی حفاظت عورتوں کے غول کا کام ہے جس کے آگے آگے افسروں اور سورما پہلوانوں کی طرح چند شجاع اور بہادر عورتیں ہوتی ہیں جن کی وضع قطع باور کراتی ہے کہ اپنے گروہ کی سردار اور مردوں سے زیادہ قبیلے کی حفاظت اور سلامتی کی ذمہ دار ہیں خلاصہ یہ کہ مرد سوا گلے کی حفاظت کے خود اپنی ذات کے اکثر کاموں میں بہت کم دخل دیتے ہیں۔ کیونکہ کل انتظامات عورتوں کے سپرد ہیں۔

کرد لوگ اپنے گلوں کا گوشت بہت ہی کم کھاتے ہیں۔ اس لیے کہ اُن سے

وہ اپنے صرف مین لاتے ہیں زیادہ قیمتی خیال کرتے ہین - ہان وہ دودھ دہی پنیر
اور مکھن ان کی خاص غذائین ہین جن پر وہ بڑی خوشی سے قناعت کرتے ہین ان
چیزون کو پتلی پتلی روٹیون اور ایک قسم کے پلاؤ کے ساتھ کھاتے ہین جو چاولون
کے عوض گیہون سے تیار کیا جاتا ہے مکھن نکالنے کی ترکیب بھی نہایت ہی سادی
اور ابتدائی زمانے کے اصول کی ہے - بکری کی ایک ثابت کھال کی مشک بنا
مین دودھ بھر دیا جاتا ہے اور مشکون مین باندھ کے آڑی آڑی لٹکا دی جاتی ہے
اور خاندان کی کنواری لڑکیان اسے جھونکے دے دے کے ہلاتی ہین - اس
کوشش سے تھوڑی دیر مین دودھ مین سے مسکا نکل آتا ہے پنیر کا زیادہ
رواج ہے - اس مین ایک قسم کی گھاس بھی ڈالی جاتی ہے جس مین پیاز کی سی
بو آتی ہے -

کردی عورتون کا لباس ترکی خاتونون کے لباس سے ملتا جلتا ہے -
نیچے ایک آستین دار ڈھیلا کرتا اور عثمانی عورتون کا سا چوڑا پائجامہ - پائجامہ
پر بجاے ازار بند کے کمر کے پاس ایک پٹی ہوتی ہے جس مین سونے یا چاندی
کی خوب صورت ڈاب لگی رہتی ہے - کرتے کے اوپر وہ ایک عبا کی ایسی چیز پہنتی
ہین جو گلے سے نیچے گھٹنون تک رہتی ہے آگے سے کھلی اور نیچے تک لٹکتی رہتی
ہے - یہ عبا یا قبا عموماً گجرات یا قسطنطنیہ کے ریشمی دھاری دار یا رنگ
برنگ بیل بوٹون دار کپڑے کی ہوتی ہے - اور کبھی اس مین زردوزی اور
کامدانی کا کام بھی ہوتا ہے - اس قبا کے اوپر وہ ایک پیراہن پہنتی ہین جسے
ان کی زبان مین جیتی کہا جاتا ہے - اور عموماً گرمٹ اور ساٹن کا ہوتا ہے - اس کی
قطع انگریزون کی کوٹ سے ملتی جلتی ہوتی ہے - مگر اس کی آستینین خصوصاً
اتنی چھوٹی ہوتی ہین کہ کہنیون تک بھی نہین پہونچتین - جاڑون کے
موسم مین وہ اس کوٹ کے عوض اکثر ایک روئی کا لبادہ یا اپنا قومی لباس
چار قبہ پہنتی ہین جو زرد اور سرخ رنگ کے اون کا ہوتا ہے - پٹکہ پر دونون
شانون کے درمیان اس کی بندش رہتی ہے - اور گھٹنون سے زیادہ نیچا نہین
ہوتا - مگر سب سے زیادہ حیرت انگیز سر کا لباس ہے - مختلف رنگون کے

کُردون کی حرم سراؤن مین بھی مرد خدمتگار اور غلام آزادانہ آمد و رفت کرتے ہین جس مین کوئی عیب نہین سمجھا جاتا۔ اسی طرح مرد مہمان کا استقبال بھی سارا خاندان کرتا ہے جس مین مرد بھی ہوتے ہین اور عورتین بھی۔

مگر اس آزادانہ معاشرت کے ساتھ خاتونان کُرد عموماً نہایت باعصمت اور پارسا ہین۔ اور نہایت ہی معزز و شریفانہ زندگی بسر کرتی ہین۔ نہ اُن مین وہ کمزوری اور بُزدلی ہے جو عموماً ارمنی عورتون مین پائی جاتی ہے۔ اور نہ اُن مین وہ شوخی اور بیباکی ہے جو اکثر ترکیہ خاتونون مین پائی جاتی ہے۔ سارے ملک مین جتنی قومین آباد ہین اُن سب مین کُردون کی عصمت شعاری بڑھی ہوئی ہے۔ اور اسی وجہ سے گویا یہ عام قومی قانون بن گیا ہے کہ کوئی منکوحہ عورت زنا کی مرتکب ہو تو شوہر اُسے مع اُس کے آشنا کے قتل کر ڈالتا ہے۔ ملکی قانون ایسے مواقع پر کسی قسم کی باز پُرس نہین کرتا۔ قوم اُس غیرتمند بہادر کی نہایت ہی عزت و حرمت کرتی ہے جس نے اُن گنہگارون کو قتل کر ڈالا ہو۔ اور اُس کے کارنامے قومی مفاخر کی طرح ہر جگہ بیان کیے جاتے ہین۔ چنانچہ ایسی روایتین اُن مین کثرت سے مشہور ہین۔ اور فخریہ بیان کی جاتی ہین۔ شوہرون ہی نہین دیگر قرابتدارون نے بھی ایسی ناموریان حاصل کی ہین۔ چنانچہ ایک پندرہ برس کے لڑکے نے اپنی سوتیلی ماں کو کسی نامحرم سے مانوس دیکھ کے مع اُس کے شریک گناہ کے عین حالت سیہ کاری مین قتل کر ڈالا۔ اور تمام قوم مین ایک غیرت مند بہادر مشہور ہوا۔ یہ جوش غیرت اس درجہ بڑھا ہوا ہے کہ قاتل کی تعریف ہونا درکنار گنہگار مقتول کے اعزہ عدالت کی طرف رجوع بھی نہین کرتے۔ اور اُن کے قرابتدار و احباب رسم تعزیت ادا کرنا بھی ضروری نہین خیال کرتے۔

اُن مین بعض عورتون کے کارنامے بھی مشہور ہین جنھون نے اپنی عصمت بچانے کے لیے غیر معمولی شجاعت ظاہر کی۔ ایک عصمت شعار کُرد خاتون ایسی بے وفا خادم کے ساتھ میکے سے سسرال جا رہی تھی جو ایک دن کے راستے پر تھی۔ نوکر نے بدنیتی سے سفر مین اتنی دیر لگائی کہ راستے ہی مین

اُس کے بیان آنے کا صرف یہ سبب ہوا تھا کہ ایک صحبت مین چند ہم سن احباب نے اُس کی بہادری مین شبہہ کیا - اور کہا اگر دل کے مضبوط ہو تو سرا سے باس (اسی سنسان سرا) مین آدھی رات کو جاکے اپنی کوئی نشانی چھوڑ آؤ - چنانچہ اسی غرض کے لیے وہ آیا اور اپنی بی بی کو ساتھ لے کے گھر گیا - ایسی ہی ایک باعصمت کُردی خاتون مسٹر لشین کو بھی اپنے سفر کردستان کے وقت ملی اُس نے ایک تُرک شخص کو جس نے اُس کی عصمت پر حملہ کیا تھا برچھے سے بھونک کے مار ڈالا - اُن کا بیان ہے کہ یہ عورت مردانے لباس مین فیض اللہ آفندی کے ہمراہ رہتی تھی اور ایک وفادار خدمتگار کی طرح اُن کی خدمت گزاری کرتی تھی -

(باقی آئندہ)

ہیٹ یا انگریزی ٹوپی

جو ہیٹ لگاتے وہ مسلمان نہین ہین
ہو شکل منقطع نہ پڑھے نماز

پالے کوئی کُتّا تو ہے ہیر ابیدین
اسلام پڑھنے ہی سے مین یقین

(حضرت ب ۱۰ لکھنوی)

بچپن کی عمر مین جب ہم نے انگریزی شروع کی تھی اُس وقت پرائمر مین دو لفظ پڑھے تھے - ایچ - اے - ٹی - ہیٹ - ایچ - ہے - ٹی ہیٹ - معنے ٹوپی سی - اے - پی - کیپ - سی - اے - پی - کیپ معنے ٹوپی - مگر یہ نہین جانتے تھے کہ ان دونون ٹوپیون مین کیا فرق ہے - بچپنے کے شفیق اُستاد تھے جس سے ہم اُس وقت بہت ڈرا کرتے تھے اور بُرا کہا کرتے تھے - کیونکہ محسن تھا غریب اس اعلےٰ تعلیم کی ابتدا کرنے والا تھا - خدا اُس کو جنت مین مدارج اعلےٰ عطا فرمائے - کیونکہ وہ اب اس دُنیا مین نہین ہے جہان ہم موجود ہین - اور اب وہ وہان ہین جہان تک ہماری آواز نہین جا سکتی - صرف اسی قدر بتایا تھا - اب معلوم ہوا کہ ہیٹ مین اور کیپ مین کیا فرق ہے - ایک حاکم قوم کی پوشاک مین داخل ہے - اور دوسری محکوم کی پوشاک مین - ایک اگر آفتاب کی تمازت

سے چہرے کو جھلس دیتی ہے تو دوسری شفقت سے بچا لیتی ہے۔
اس وقت ہم اس مضمون پر کوئی علمی یا تاریخی بحث کرنا پسند نہیں کرتے ہیں بلکہ قصد ہے کہ آگے چل کر کچھ مذہبی نظر سے اس کے استعمال کو جانچیں اور اس کے استعمال پر جرح و تعدیل کریں۔ اور آپ حضرات کو بتائیں کہ یہ مفید ہے یا مضر۔
تاریخی حیثیت سے صرف اس قدر پتہ لگتا ہے کہ ایک زمانے میں اہل انگلستان بھی اس کا استعمال نہیں کرتے تھے اس کا استعمال اس میں شک نہیں کہ اہل روما اور یونان والے کیا کرتے تھے۔ اور حالت سفر میں اس کو اپنے سر پر رکھا کرتے تھے تاکہ آفتاب کی گرمی نقصان نہ پہونچا سکے۔
انگلستان میں اس کا رواج اس وقت سے ہوا ہے جب سے نارمن لوگ انگلستان میں آ کر قابض و متصرف ہوئے ہیں ۱۰۶۶ء سے۔ ایڈورڈ کے دربار میں ہیٹ استعمال زیادہ فیشن تھا اور تیرھویں صدی میں پوپ انوسنٹ چہارم نے پادریوں کو سرخ ہیٹ کے استعمال کی اجازت اپنے ... کو دی۔ اور قرون وسطیٰ میں اس کا رواج صرف بڑے رتبے کے لوگوں میں تھا۔ اس وقت ہیٹ ایک عزت کی نشانی سمجھی جاتی۔ یہ ہیں تاریخی حالات جو معلوم ہو سکے۔ اس کے بعد ہیٹ کی ساخت میں مختلف قسم کے اختراعات مختلف بادشاہوں کے زمانوں میں ہوتے رہے۔ لغوی حیثیت سے ہیٹ اور کیپ کے ایک ہی معنے ہیں۔ یعنے وہ پوشاک جو سر کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ ہیٹ میں اور کیپ میں صرف یہ فرق ہے کہ کیپ یعنے معمولی ٹوپی سر کی چوٹی کو ڈھانک لیتی ہے اور ہیٹ کا بھی یہی فعل ہے مگر اس کے چاروں طرف ایک چھجا سا نکلا ہوتا ہے۔ پھر ہیٹ کا استعمال جس طرح مرد کرتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی کر سکتی ہیں۔
طبی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو میں اس وقت دو رائیں ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اول یہ کہ ہمارے مخدوم جناب حکیم محمد علی خان

عہ دیکھو انسائکلوپیڈیا برٹانیکا نواں اڈیشن جلد ۱۱۔

صاحب آنریری مجسٹریٹ [illegible] اپنی کتاب مسیحائے عالم مین تحریر فرماتے ہین
کہ انگریزون کی پوشاک مین اگر کوئی شے معین صحت اور اچھی ہے تو وہ ہیٹ
ہے۔ [illegible] افسوس ہے کہ سرورق پر اپنا نام درج
نہین کیا لکھتا ہے کہ ہندوستانیون کو چاہیے کہ وہ ہیٹ کا استعمال
کرین کیونکہ [illegible] مین بوجہ اس کے کہ منطقہ حارہ کے قریب مین
ہے گرمی زیادہ ہوتی ہے [illegible] ہمارے خیال مین معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس کو
سمجھ [illegible] جب وہ دیکھے گا کہ ہیٹ سے سر کس آسانی سے دھوپ
سے بچ جاتا ہے۔

الغرض ان فوائد کا خیال کر کے ہم نے دو تین سال سے (سر وقت تو نہین)
ہیٹ کا استعمال شروع کر دیا کیونکہ ہمارا خیال یہ ہے کہ جو چیز اچھی ہو اس کو
خود کر کے لوگون کے سامنے پیش کرنا چاہیے مگر [illegible] مخالفت
[illegible] قوم کے حربے کو لے کر کھڑے ہوئے اور حقارت
کی نظرون سے دیکھنے لگے۔ اغیار کی شکایت کیا کی جائے۔ خود ہمارے [illegible]
[illegible] نظرون سے دیکھنے لگے۔

[illegible] ز ہم امید ہمانا زجہان بر خیزد

[illegible] سر سید احمد خان کو عجیب دل دماغ خدا نے
دیا تھا اس وقت [illegible] کہ ہمارے عوام کا تو کیا ذکر علما اور فقہا تقلید کی زنجیرون
مین جکڑے ہوئے تھے۔ مذہبی مسائل کی تحقیق شروع کر دی۔ ہمارے
علما نے عادت و رسم کو مذہب و شریعت بنا رکھا تھا اس مرحوم نے اس
لکیر [illegible] مٹانے کی کوشش کی اور ایک حد تک کامیاب بھی ہوا۔

حضرات ہیٹ کے استعمال سے مذہب مین مطلق خلل نہین پیدا
ہوتا ہے۔ تاہم افسوس ہے کہ ہمارے حاملان شریعت نے اس کو ایک بڑا
مذہبی مشکل اور نازک مسئلہ قرار دیدیا ہے۔ یہ صرف ناسمجھی ہے یا تجاہل
[illegible] اور امت مرحومہ کی تاریخ سے محض ناواقفیت۔

صحیح حدیثون مین آیا ہے جس سے کوئی عالم انکار ہی نہین کر سکتا کہ

اُس لیے یہ لباس آپ کا قومی لباس تھا اور حجاز کی گرمی کے مناسب حال شریعت کا یہ کام نہین ہے کہ کسی خاص لباس کی افضلیت بتائے کیونکہ شریعت کا کام ایسے اُمور بتانا ہے جو لباس سے زیادہ اہم ہون اسلیے لباس کا معاملہ عقل سلیم کے تابع رکھا ایک طرفہ ماجرا ملاحظہ فرمائیے کہ لباس کے معاملے مین بلکہ شریعت مین بھی علما نے عادت کو حکیم قرار دیا ہے۔ پس شارع نے جس لباس کو کسی وجہ سے مکروہ قرار دیا ہے فقہا نے باوجود اس وجہ کے موجود ہونے کے اس کو مستحسن خیال کیا ہے۔ اور یہ دلیل پیش کی ہے ہین کہ وہ لباس عادت مین داخل ہو گیا ہے۔

لانبے کپڑے کی ممانعت حدیث مین صاف صاف آئی ہے۔ اور فقہا نے اس پر اتنا اضافہ کیا ہے کہ اگر تکبر اور فخر کے طور پر لانبا دامن اور لانبی آستین رکھی جائین تو حرام ہین۔ اور اگر فخر کے طور پر نہ ہون تو مکروہ۔ باین ہمہ شیخ الحنفی جیسا شخص اپنی کتاب جامع صغیر کے حاشیہ مین اس حدیث کی یون تفسیر کرتا ہے کہ ”ٹخنون سے نیچا کپڑا پہننے کی کراہت صرف اُن لوگون کے لیے مخصوص ہے جن کی یہ عادت مین داخل نہین ہوا ہے“ نووی شرح مسلم مین قاضی عیاض کا قول نقل کر کے تائید کرتے ہین کہ ”غرضکہ جو لباس طول وسعت مین حاجت اور عادت سے زائد ہو وہ مکروہ ہے“ شرح منہاج مین لکھا ہے کہ ”کپڑون اور آستینون کا زیادہ وسیع کرنا بدعت اسراف اور مال کا ضائع کرنا ہے“ اسی کے بعد لکھا ہے کہ ”جو لباس علما کا شعار قرار پا چکا اُس کا پہننا اُن کو مستحب ہے تاکہ وہ خاص اس لباس کے ذریعہ سے پہچان لیے جائین۔ اور لوگون کو اُن سے سوال کرنے مین آسانی ہو“

حضرات۔ ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ جو لباس شارع کے قطعی حکم سے حرام و مکروہ ہو اُس کو فقہا نے مستحب قرار دیا ہے۔ اس مین سب سے بڑھی رکیک بات یہ ہے کہ مانا کہ علما کا لباس ایک خاص قطع برید کا ہو مگر ایسا کیون ہو جسکی شارع نے سخت ممانعت فرما دی ہو۔ اگر شریعت مین عادت کو حکیم قرار دینا صحیح ہے جیسا کہ علما کا خیال ہے تو اس مین شک نہین کہ اس حرام یا مکروہ

لباس کا وبال علماے سلف مین سے اُس شخص کی گردن پر ہوگا جس نے علما کے لیے اسکو ایجاد کیا۔

ہم نہین کہہ سکتے (شاید مولانا شرر کو علم ہو کیونکہ وہ تاریخ کے ایک متبحر عالم ہین) کہ علما کا یہ لباس جو طریقۂ سُنّت سے دور ہے کس نے ایجاد کیا۔ مگر جس نے علما کے لیے ایک خاص لباس قرار دیا ہے وہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید قاضی ابو یوسف صاحب ہین۔ اب اگر یہ امر مانا جاے کہ جس طرح عبادت پر قائم رہنا مشروع ہے اُسی طرح عادت کی ابتدا کرنا بھی مشروع ہے تو قاضی صاحب صاف بری ہوتے ہین۔ ورنہ اس بدعت تازہ کا الزام اُن پر آتا ہے۔

بجاے اسکے کہ ہر محرم کی دس تاریخ تک ہاے حسین وا اے حسین ہوتا ہے ہاے اسلام وا اے اسلام ہونا چاہیے۔ صحابہ تابعین نے تو برابر نصارے کی ٹوپی کا استعمال کیا ہے۔ اور ہمارے علما عادت مین پھنسے ہوئے تقلید مین جکڑے ہوئے ہین اس لیے ہیٹ کو بُرا کہہ رہے ہین سب سے بڑا امر یہ جو استعمال ہوتا ہے وہ وہی ہے جس کا بیان ہم اوپر کر چکے ہین کہ مجالستہ لقوم۔ مگر یہ غلط ہے بلکہ اس جملے کا تعلق امور دینی کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو ہمارے مذہب مین نہین ہین۔ مثلاً اولیاء اللہ اور صالحین کے قبور کو عبادت گاہین قرار دینا ہے جس کی مخالفت مین حدیث آچکی ہے کہ لعن اللہ الیہود والنصارے اتخذوا قبور انبیائہم مساجد۔

سچ تو یہ ہے کہ آپ نے اور آپ کے مریدین نے اسے ہمارے حاملان شریعت ان تمام امور مین نصارے کے ساتھ تشبہ اختیار کیا ہے جس کا سالانہ تماشا اجمیر اور محرم مین ہوتا ہے۔ نیز امور مین داتا گنج بخش کے مزار کو دیکھ لیجیے۔

دنیاوی امور مین ہرگز مخالفت غیر مذاہب کی واجب نہین ہے بلکہ عادات مین ان لوگون کے قریب قریب ہونے سے ان مین

الفت اور اتحاد قائم ہوگا۔ اور نفرت جو ایک دوسرے کو دیکھنے نہیں دیتی جاتی رہے گی۔ اور جب نفرت زائل ہوگئی تو ممکن ہے کہ جاء الحق وزہق الباطل ہو جاے۔

حضرات! جناب سرور کائنات نے قطع نظر نصاریٰ کے جن کو کلام پاک مسلمانوں سے محبت کے لحاظ سے زیادہ قریب بتاتا ہے مشرکوں اور آتش پرستوں کا لباس استعمال کیا ہے پس اگر کوئی مسلمان انگریزوں کی ٹوپی استعمال کرے تو اس پر کوئی گناہ کی بات نہیں ہے۔

یہ مضمون نہایت اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اگر آپ کو مخالفت ہو تو شوق سے دلگداز میں تحریر فرمایئے۔ اگر قابل تسلیم ہوگا مان لیا جاے گا ورنہ جواب عرض کیا جاے گا۔

مجھکو امید ہے کہ ہمارے ماننے والے احباب نیز اعزہ اس کو شوق سے ملاحظہ فرمائیں گے۔ اور اپنے شکوک کو رفع فرمائیں گے اور تعلیم یافتہ جاہل بننے کی کوشش نہ کریں گے۔

خاکسار
محمد عمر لکھنوی

مشہور لٹریری اور تاریخی ماہوار رسالہ

دلگداز

ایڈیٹر (مولانا محمد عبد الحلیم صاحب شرر)

نمبر [illegible] جولائی سنہ ۱۹[illegible]ء جلد ۱[illegible]

اصول و ضوابط

(۱) ہر مہینے میں ایک بار انگریزی مہینہ کی آخری تاریخوں میں شائع ہوتا ہے۔

(۲) بلا وصول قیمت یا اجازت وی۔پی نہیں جاری کیا جاتا۔ حساب ختم ہوتے ہی دوسرے سال کا وی۔پی بھیجا جاتا ہے۔

(۳) حجم ساڑھے تین جزو اور تین حصہ پر منقسم ہوتا ہے۔ پہلے حصہ میں تاریخی تحقیقات اور خیالی یا اشتقاقی مضامین ہیں اور ایک الف ہوتی ہے۔ دوسرے حصہ میں ناول کا ایک جزو ہوتا ہے اور تیسرے حصہ میں تاریخ کا ایک جزو۔ ہم زیر اشاعت ناول یوسف نجمہ کا دوسرا حصہ ہے جس کا سلسلہ جنوری ۱۹۰۶ء سے شروع ہوا اور زیر اشاعت تاریخ ایڈیٹر کی مشہور تصنیف تاریخ سندھ ہے جس کا سلسلہ ستمبر ۱۹۰۵ء سے شروع ہوا تھا۔ یوسف نجمہ حصہ اول قیمت پر اور رسالہ گزشتہ کے چار جزو سے ناول ہم پر دفتر سے جداگانہ مل سکتے ہیں۔

(۵) قیمت۔ اگر مکمل پرچہ لیا جائے تو تین روپیہ سالانہ۔ کوئی دو حصہ یعنی مضامین و ناول یا مضامین و تاریخ یا ناول و تاریخ لیے جائیں دو روپیہ سالانہ۔ اور کوئی ایک ہی حصہ لیا جائے تو عہ رسالانہ۔ محصول ڈاک ہر حال میں ہمارے ذمہ۔

(۶) نمونہ کا پرچہ مکمل ۶ کو۔ دو حصہ کا ۴ کو اور ایک حصہ کا ۲ کو بھیجا جاتا ہے مفت نہیں بھیجا جاتا۔

(۷) اشتہارات کے لیے خط و کتابت کیجیے۔

منشی جے نرائن ورما پریس حسینی گنج میں چھپ کے
لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خاں سے شائع ہوا

سے پہلے ہی کسی کا دم نکل گیا تو پھر قبرستان میں لے جانے کے بعد اس کے منہ
میں تھوڑا سا پانی ڈال دیا جاتا ہے۔

یورپ کے عیسائی سیاحوں کو سب سے بڑی فکر اکثر اس بات کی رہا کرتی ہے
کہ کسی فریق کو دور از کار تاویلیں کر کے دائرۂ اسلام یا مسلمانوں کی جماعت
سے خارج کر دیں۔ گو اس کوشش میں خود مسلمان ان سے زیادہ ناانصافی
کر رہے ہیں۔ ہر فریق بلکہ ہر موجودہ عالم دوسرے کو کافر و مشرک یا کم سے کم
فاسق بنا دیتا ہے۔ اس پانی ٹپکانے کی رسم پر ہمارے مغربی محققین نے
یہ قیاس دوڑایا ہے کہ یزیدی چونکہ اصل میں آتش پرست ہیں لہذا یہ ان کی
آتش پرستی کی یادگار ہے۔ اور گو اب پانی ٹپکانے کا رواج موجودہ پارسیوں
میں بھی نہ ثابت کیا جا سکے لیکن یہ دلیل کافی ہے کہ مجوس کے عقاید میں
عناصر بعد پاک اور قابل پرستش ہیں۔ لہذا پانی ٹپکانے سے گویا مرنے
والے کی تطہیر کی جاتی ہے۔ اور ہمارے دوستوں کو یہ خبر نہیں کہ پانی ٹپکانے
کا مسلمانوں میں بھی عام رواج ہے جس کا سبب یہ ہے کہ اکثر دیکھتے ہیں
کوئی شخص اگر کوئی دوا نہ بھی پیا ہو تو بھی مرتے وقت نزع کی تکلیف سے
اکثر حلق خشک ہو جاتا ہے۔ اس لیے وہ آہستہ آہستہ پانی ڈال کے
اس کا حلق تر کیا کرتے ہیں۔ اس کو آتش پرستی کی رسم قرار دینا ایسا ہی
ہے جیسے کوئی کہے کہ مردے کو پانی سے نہلانا ایک قسم کی مجوسیت ہے۔
کیونکہ پانی کے ذریعے سے تطہیر کی جاتی ہے۔

یزیدیوں میں یہ بھی معمول ہے کہ مردے کے کفن میں روٹی کا ایک
ٹکڑا اور دو ایک روپیہ بھی رکھ دیتے ہیں۔ اور ایک چھری بھی ضرور رکھ
دی جاتی ہے۔ اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب منکر نکیر آئیں گے
اور سوال کریں گے تو متوفی شخص پہلے انھیں روٹی کا ٹکڑا دکھا کے لالچ
دلائے گا۔ پھر روپیہ دے کے اپنے موافق بنائے گا۔ اور اس پر بھی نہ مانا
تو لکڑی ہاتھ میں لے گا اور لڑ بھڑ کے زبردستی جنت میں گھس جائے گا
مردے کے دونوں ہاتھ دو سینے پر رکھ دیتے ہیں جو صلیبی وضع سے

ایک دوسرے کا تقاطع کرتے رہتے ہیں۔ تعجب ہے کہ اس رسم کی بنیاد پر بھی
جدید محققین نے انھیں عیسائی نہ بنا دیا۔

ان میں میت جب تک گھر پر رہتی ہے، قوال پاس بیٹھ کے
معرفت کی غزلیں گایا کرتے ہیں۔ اور جب جنازہ اٹھتا ہے تو دو لوگ اسی
طرح گاتے بجاتے اور انگیٹھیاں ہاتھ میں لئے جن میں عود و لوبان سلگتا
رہتا ہے ساتھ جاتے ہیں۔ دفن کے بعد متواتر کئی دن تک مرحوم کے اعزا و
اقارب اور احباب عام اس سے کہ مرد ہوں یا عورتیں ہر صبح و شام کو
قبر پہ جاتے ہیں۔ عورتیں وہاں جا کے نوحہ و بکا کرتی اور قبر پہ بیٹھتی ہیں
اور مرد لوبان سلگا کے قبر کے گرد تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھے ہیں۔
اظہار تعزیت کے موقع پر عورتوں کی وضع میں صرف اتنا تغیر ہوتا ہے کہ
چہروں پر سیاہ نقاب ڈال کے گھر سے نکلتی ہیں۔

کردوں کے رسم و رواج کا تھوڑا سا ذکر ہو چکا اب ہم ان کے معتقدات
اور مذہبی خیالات کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ کرد لوگ مملکت
عثمانیہ کے پٹھان ہیں۔ یہاں پٹھانوں کا [illegible] مشہور ہے وہاں کردوں
کا [illegible] جس طرح یہاں مشہور ہے کہ پٹھانوں میں آج تک کوئی ولی نہیں
پیدا ہوا اسی طرح وہاں شہرت ہے کہ کردستان میں کسی ولی کا پیدا ہونا منجملہ
محالات ہے۔ اپنے اکھڑپن اور [illegible] بعض مذہبی مسائل میں
بھی رد و بدل اور ترمیم و تنسیخ فرمایا کرتے ہیں [illegible] رمضان میں کرد
لوگ اگرچہ روزے رکھتے ہیں مگر باوجود اس کے دن بھر بے تکلف نارگیلہ
[illegible] بھر بھر کے پیا کرتے ہیں۔ اور کوئی اعتراض کرے تو جواب ملتا ہے
[illegible] پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے [illegible] میں
بھی نہیں [illegible] کی ممانعت کیسی۔ رہا قیاس تو [illegible] کیا ہے جس
روزہ ٹوٹنے کا۔" ان میں ایسا سخت [illegible] کہ ترک لوگ بھی ان کے
مذہبی خیالات و معاملات میں بہت کم دخل دیا کرتے ہیں۔ ان کا معاملہ
خود ان کے ملاؤں کے ساتھ ہے۔ جو مسجدوں کی خدمت گزاری کرتے

نماز پڑھاتے - اور امام کے خطاب سے یاد کیے جاتے ہین - وہی اُن سے شریعت اسلامیہ کی تعمیل کراتے اور وہی اُن کے بچون کو مذہبی تعلیم دیتے ہین لیکن باوجود اس کے ملاؤن کی وقعت اُن کی نظر مین بہت ہی کم ہے - عام طور پر مشہور ہے کہ ملا لوگ بڑے لالچی اور حریص وطامع ہوتے ہین - ملاؤن کی حرص وطمع اور اُن کی بے نفسی و ناخداترسی کی مختلف کہانیان کردون مین مشہور ہین جو نہایت ہی بامذاق و مضحک ہین -

مثلاً کہتے ہین کہ ایک دن ایک مُلّا اور دو جاہل کرد سفر پر جا رہے تھے - راستے مین ایک ندی پڑی جس سے پیر کے اترنے کے لیے سب نے کپڑے اتارے - ملا صاحب آگے آگے تھے اور وہ دونون پیچھے پیچھے - ندی کے درمیان پہنچ کے دیکھتے ہین کہ چار ہانڈیان جن مین مسکا موجود تھا بہتی نظر آئین ملا صاحب نے لپک کے اُن پر قبضہ کرنا چاہا - ایک کو ایک ہاتھ مین دبایا دوسری کو دوسرے ہاتھ مین - تیسری منہ بڑھا کے دانتون سے پکڑ لی - ندی چوتھی پر چھوڑ رہنے کو آمادہ تھی لہٰذا وہ بہتی ہوئی انہین مین سے کسی کے ہاتھ لگ گئی - یہ دیکھنا تھا کہ ملا صاحب نے گھبرا کے کہا "ابھی لینے کو چاہتے ہو تم لوگ میرا میری خدا کی قسم اپنا حصہ بٹا لون گا"

اسی طرح مشہور ہے کہ ایک ملا صاحب جن کا نام بایزید تھا ایک ایک مسجد مین وعظ کہہ رہے تھے - اتفاقاً کسی کام کے لیے اُن کی بی بی بھی اُدھر سے گزرین جو میان کو دین کی تعلیم دیتے دیکھ کے ٹھہر گئین اور سُننے لگین - آپ اُس وقت فرما رہے تھے "مسلمانو - تم مین سے جس کسی کے پاس دو کپڑے ہون ایک کپڑا خدا کی راہ مین دے دے - اور جس کے پاس دو روٹیان ہون ایک روٹی حسبۃً للہ خیرات کرے" بی بی کو یہ نصیحت پسند آئی - گھر مین واپس آتے ہی ملا صاحب کے کپڑون کا ایک جوڑا جو دُھل کے آیا تھا خیرات کر دیا اور علیٰ ہذا القیاس گھر مین جو کچھ غلہ وغیرہ تھا اُس مین سے بھی نصف نکال کے خدا کی راہ مین بانٹ دیا - تھوڑی دیر کے بعد ملا صاحب گھر مین تشریف لائے تو آتے ہی کہا میرے کپڑے بھگو کے

مین مرد دوسرا جوڑا جو دھو کے آیا ہے لاؤ" بی بی نے کہا "وہ تو مین نے خدا کی راہ
مین دے دیا - اور آدھا غلہ بھی نکال کے بانٹ چلی" یہ جواب سنتے ہی ملا صاحب
طیش و غضب سے بولے "کیون؟ آخر سبب؟" بی بی نے کہا "اس لیے کہ تم نے
آج لوگون کو یہی نصیحت کی تھی" اب ملا صاحب مین بھلا کہان تاب تھی جھنجھلا کے
بولے "کم بخت عورت - ایسی نصیحت مین دوسرون کو کرتا ہون یا اپنون کو؟ مین
تو یہ تدبیر کرتا ہون کہ اپنی آدھی جائداد لوگ مجھے بانٹ دین ورنہ تو خود میرے
گھر کی تیرے باپ دادا سے بنی ہے؟ اگر یہی کرتی رہین تو دو چار روز مین تو میرا
گھر تباہ کر دے گی"

اس سے بھی زیادہ با مذاق اور عجیب یہ کہانی ہے جو ہر کرد بچہ کی
زبان پر ہے وہ یہ کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم شب معراج کو جبرئیل
امین کے ساتھ فردوس برین مین تشریف لے گئے تو وہان ملاحظہ فرمایا کہ ایک
نہایت قوی ہیکل اور عظیم الجثہ فرشتہ کندھے پر ایک بڑی بھاری ڈھول لیے
اور اسے بجانے کو تیار کھڑا ہوا ہے آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟
اس فرشتے نے خود ہی بڑھ کے عرض کیا "یا رسول اللہ میرا فرض یہ ہے کہ
جب کوئی کرد خیرات کرے تو وہ چاہے کتنی ہی ادنے اور حقیر چیز ہو مین
ڈھول بجا کے آسمان کے تمام فرشتون کو مطلع کر دون کہ فلان ملا صاحب نے
خیرات کی" آنحضرت صلعم نے پوچھا "جب سے یہ خدمت تمہارے سپرد ہوئی
ہے تم نے کتنی مرتبہ ڈھول بجایا ہے؟" عرض کیا "اس کی کبھی نوبت نہین آئی
اور آج تک انتظار ہی مین گزری ہے"

باوجود ان بدگمانیون کے ان کے تمام کام پیرون اور ملاؤن کے ہاتھ
مین ہین - کیونکہ کردون کے زن و مرد دونون کو گنڈے تعویذ اور جھاڑ
پھونک سے بڑا اعتقاد ہے - مغربی سیاحون کا یہ خیال ہے کہ ہمارے
یہان کے مسلمانون کے خلاف ایران و ترکی مین جا کے دیکھیے تو ان
چیزون کا رواج بہ نسبت سنیون کے شیعون مین زیادہ ہے - چنانچہ
بعض سیاحان یورپ کردون کی اس قسم کی ضعیف الاعتقادیون کو شیعیت

کا اثر خیال کرتے ہیں لیکن ہم اس کو باور نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس سرزمین کے
شیعیوں پر بھی ہم مشائخ اور فقرا کا بہت بڑا اثر پاتے ہیں۔ درویشوں اور فقرا
جو پیری مریدی کے مختلف خاندانوں سے وابستہ ہیں کردوں میں ان کی عظیم
و تکریم کی جاتی ہے۔ جس کے باعث کردی زن و مرد ترکوں سے بھی زیادہ
پیر پرست اور اپنے اوہام کے بندے ہوتے ہیں اور فقرا کے کشف و
کرامت اور ان کے تصرفات اور روحانی اقتدارات کے حد سے زیادہ
معتقد ہیں۔

سب سے زیادہ عقیدت انھیں خاندان نقشبندیہ کے شیخ
ولی شیخ خالد کے ساتھ ہے جن کا مزار علاقۂ سلیمانیہ میں ہے۔ انھیں
لوگ غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہم مرتبہ سمجھتے ہیں اور انھیں
وہ حضرت مولانا کے محترم لقب سے یاد کرتے ہیں۔ [illegible] ملفوظات
کو وہ حدیث کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ جو لفظ رسول [illegible]
صلعم کے اقوال و افعال کے [illegible] مخصوص کر لیا ہے۔ [illegible]
کے مزار اور زندہ فقیروں کے تکیے ہر جگہ ان خانقاہوں کا مرجع [illegible]
رہتے ہیں۔ انھیں کی برکت سے بیماروں کو شفا حاصل ہوتی ہے [illegible]
آرزومند اپنی تمنائیں پوری کرتے ہیں۔ کوئی بچہ بیمار ہوتا ہے تو [illegible]
ماں اسے لے کر کسی قریب کے درویش ولی کے پاس پہونچتی ہے [illegible]
وہ بزرگ ہاتھ پھیر کے اس پر قدم رکھ کے پھونک ڈالتے ہیں یا کوئی
تعویذ عطا کر کے اسے اچھا کر دیتے ہیں [illegible]
ہوتا ہے۔ مگر ایک یورپین سیاح خود اپنی آنکھوں [illegible]
کہ بچہ سامنے چت لٹا دیا گیا تب پیر جی صاحب کھڑے ہوئے [illegible]
قریب ہی موجود تھے ان کے شانوں پر دونوں ہاتھ رکھ کے کھڑے
ہوئے اور بچہ پر پاؤں رکھ کے بظاہر دو ایک سکنڈ تک اسی پر پورا
بوجھ ڈال دیا۔

پیر پرستی کردوں میں اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ آرمینیوں کے بعض

جن شیخوں (ولیوں) سے بھی استعانت کی جاتی ہے۔ سرب سرکیس نام ایک مسیحی شہید تھا جن کا نام اب سینٹ سرجیوس مشہور ہے۔ کرد سپاہی لڑنے کو گھر سے نکلتے ہیں تو اُس مسیحی ولی کے مزار پر جا کے ایک جھنڈا چڑھاتے اور شمعیں روشن کرتے فتح و نصرت کے آرزومند ہوتے ہیں۔

مسلمانوں میں ہر جگہ مشہور ہے کہ خضر و الیاس خشکی اور تری میں شکستہ حالوں کی مدد کیا کرتے ہیں۔ اس اعتقاد میں بھی کرد کسی جگہ کے مسلمانوں سے پیچھے نہیں ہیں۔ اسی طرح شہیدوں کی طرف بھی۔ نہیں خاص توجہ ہے بلکہ سمجھا جاتا ہے کہ شہدا و اولیا اگر کبھی اپنی قبروں سے باہر نکلتے ہیں اور لوگوں کو ان دنیوی آنکھوں سے اُن کی زیارت نصیب ہو جاتی تو یقین کر لینا چاہیے کہ کوئی بڑا اہم واقعہ ہونے والا ہے۔

یہ تو عام کردوں کے عقائد تھے جن میں اور دیگر مقامات کے مسلمانوں کے عقائد میں بہت ہی تھوڑا فرق ہے۔ مگر یزیدی جن کا نام کئی مرتبہ آ چکا ہے عجیب و غریب لوگ ہیں۔ اور اُن کے عقائد بھی انوکھے نظر آتے ہیں۔ اُن کا مذہب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا مجوسیت اور اسلام کو ملا کے بنایا گیا ہے یا ان دونوں مذاہب کے امتزاج سے خود ہی پیدا ہو گیا۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کا اصلی بانی کون ہے۔ ان میں سب سے انوکھی بات یہ ہے کہ خود شیطان کو تسلیم کر کے اُس کی پرستش کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا عام خیال ان کے نام کی بنیاد پر ان کی نسبت یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتل یزید بن معاویہ کے پیرو ہیں۔ حالانکہ اُن کو یزید سے کوئی واسطہ ہے اور نہ شہادت سیدنا امام حسین کو کوئی اچھی بات خیال کرتے ہیں۔ لیکن اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک پرانا مذہب ہے جس کا پتہ محققین یورپ کو ہجرت کے تقریباً سو ہی ڈیڑھ سو برس بعد سے لگتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ اُن کا اصلی نام یزیدی نہیں بلکہ یزدی ہوگا جس سے بگڑ کے یزیدی بن گیا ہے۔ مجوس کے نزدیک خداوند جل و علا کا ایک نام یزد بھی ہے۔ غالباً اسی لحاظ سے ان لوگوں نے اپنے آپ کو یزدی کہلانا شروع کیا ہوگا۔ ان کے عام رسم و رواج میں زرتشتیت کا

عنصر غالب معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ یزدان و اہرمن کی طرح انھون نے دو جُدا جُدا
مظاہر خیر و شر قرار دے رکھے ہین۔ مظہر خیر تو اُن کے نزدیک شیخ عادی نام
ایک بزرگ ہین جن کا ذکر ان لوگون کا سب سے بڑا معبد اور مرتبت [illegible]
کو یہ لوگ خالق خیر یا بھلائی کا دیوتا تسلیم کرتے ہین۔ اُن کے مقابل شیطان
اُن کے نزدیک خالق شر یا برائی اور بدکاری کا دیوتا ہے۔ وہ عقیدہ رکھتے ہین
کہ شیخ عادی چونکہ بالذات سراپا رحم و شفقت ہین لہذا نافرمانی سے چندان خفا
نہین ہوتے۔ اور اُن کی پرستش و تعظیم مین کسی قسم کی کمی ہو جائے تو بھی
سخت گیری و بازپرس نہین کرتے لیکن اس کے خلاف اُن کے نزدیک شیطان
سراپا غیظ و غضب اور سخت برہم مزاج ہے اور اگر اُسکے ہاتھ [illegible] قدرت [illegible]
پہونچ جانے کا اندیشہ [illegible] وہ ڈرنے کی چیز ہے۔ اور ضرور ہے کہ اُس
مضرت سے بچنے کے لیے خوشامد کے طریقے سے [illegible]
پرستش کی جائے۔ خلاصہ یہ کہ اُن کے نزدیک اسکی عبادت [illegible]
بلکہ خوف و اندیشے کے سبب سے کی جانی چاہیے۔ چنانچہ شیطان
عبادت مین اس قسم کی باتین عمل مین لائی جاتی ہین گویا خوشامد کی جاتی
ہے تاکہ وہ غیظ و غضب مین آکے نقصان نہ پہونچائے۔ شیطان کی ہیبت
ان لوگون پر اس قدر چھائی ہوئی ہے کہ نہ اُس کی نسبت کوئی لعن طعن کا کلمہ
زبان سے نکالتے ہین اور نہ اُسے اُس کے اُن نامون سے یاد کرتے ہین
جن سے اُس کا بُرا ہونا مترشح ہوتا ہے۔ اُس کے شر سے بچنے کے لیے جو
تعویذ اور نقش کام مین لائے جاتے ہین اُن مین بھی صرف ایسے ہی اشارات
و کنایات ہوتے ہین جو اُس کے غصے کو فرو کر سکین۔ چنانچہ ایک سرخ
رنگ کا جنگلی پھول جسے انگریزی مین "انی مون" کہتے ہین شیطان کا
پسندیدہ پھول باور کیا گیا ہے اور محض اُس کی خوشنودی حاصل کرنے
کے لیے یزیدی لوگ انی مون کے ہار بنا کے پہنتے۔ اُس کے گلدستے
ہاتھون مین رکھتے اور اُس کے بندھنوار دروازون پر لٹکاتے ہیں۔ بعض
خوشامد کے لیے شیطان کا نام اُنھون نے اپنی اصطلاح مین ملک طاؤس [illegible]

اُن کا بیان ہے کہ ملک طاؤس کا سنجق ایک چبوترے پر قائم تھا۔ اور اُس کے برابر تانبے کا ایک آفتابہ رکھا تھا جس مین پانی بھرا ہوا تھا یہ پانی بیمارون اور مُراد مانگنے والون کو شفا اور مقصد وری کی غرض سے دیا کیا جاتا تھا۔ یزیدیون کے سردار حسین بے۔ محبت سے شیوخ پیر اور قوال سامنے جمع تھے۔ اور ایک فقیر بیٹھا ہوا ملک طاؤس کے مناقب بیان کر رہا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ فلان عیسائی کو اس کے فیض سے یہ برکت حاصل ہوئی۔ فلان مسلمان کی یہ آرزو بر آئی۔ اور فلان یزیدی کو ایسی برکت حاصل ہوئی۔ اگر آپ سب اپنی بھلائی چاہتے ہین تو ملک طاؤس کے آگے سر جھکا کے طالب فیض ہو جیے"

یزیدیون کے اضلاع مین اسی قسم کے سات ملک طاؤس موجود ہین جو معمولاً اُٹھائے جایا کرتے ہین۔ اور سات کا شمار اس لیے اختیار کیا گیا کہ یہ عدد یزیدیون مین نہایت متبرک ہے۔ اُن کے اُٹھانے کا انتظام شیخ ناظر کرتا ہے۔ جو ان لوگون کا افسر سرگروہ اور سب سے بڑا مقتدا ہے۔ اور وہی اپنی تجویز سے گشت کا پروگرام مرتب کرتا ہے۔

یزیدیون کے اکثر رسوم بہ ظاہر زرتشتی مذہب کی یادگار ہین۔ بلکہ زرتشتیون سے بڑھ کے یون کہنا چاہیے کہ اُن کو قدیم صابی مذہب سے علاقہ ہے۔ صابی مذہب بابل ونینوا والون کا اصلی مذہب تھا اور چونکہ کُرد لوگ پُرانی کالدانی قوم کی یادگار خیال کیے جاتے ہین جو اُن ممالک پر متصرف تھی لہذا کوئی تعجب کی بات نہین اگر ان یزیدی کُردون کا دین مذہب صابئی کی زندہ یادگار ہو۔ آگ اور سورج اُن کے اعتقاد مین اس عالم کے اندر یزد (خدا سے خالق خیر) کی یادگار ہین۔ اس سبب سے یزیدی لوگ نہ آگ مین کبھی تھوکتے ہین اور نہ اُس مین کوئی ناپاک چیز ڈالتے ہین۔ بلکہ اپنے ہاتھون اور چہرون کو آگ مین سینک کے پاک کیا کرتے ہین۔ اُن مین سے جو لوگ مقتداؤن کے گھرانے کے ہین وہ روزہ بلاناغہ سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کے وقت اُس کے سامنے سر جھکا کے زمین چومتے یا کسی پتھر کو زمین پر رکھ کے اُس کا بوسہ

رہتے ہیں مگر عام یزیدی آفتاب پرستی کا رسم صرف خاص تقریبوں یا زیارتوں کے موقعوں پر بجا لاتے ہیں۔ مغرب کے وقت ہر دار کے دروازے پر اور نیز ہر نوارے اور چشمے کے پاس چراغ روشن کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اُن کے عقیدے میں پانی یزدان کا مظہر ہے۔ اور مچھلی بھی محترم چیز ہے۔ اُن کی آبادی میں صرف اسی وجہ سے لوگ پانی کا کوئی جانور کھاتے ہیں۔ ورنہ صید البحر جو شافعیہ اور دیگر مجتہدین کے نزدیک حلال ہے اُن کے نزدیک مطلقاً حرام ہے۔ اُن میں زندگی بھر تکالیف مذہبی عائد کرنے کا بھی ایک رسم معین ہے۔ یہ رسم زندگی میں مکرر سہ کرر بجا لایا جاتا ہے۔ اور اُس میں ہوتا صرف اس قدر ہے کہ لوگ جا کے کسی متبرک چشمہ یا فوارے میں عبادات مذہبی ہمیشہ طہارت کرتے ہیں۔

خوب و زشت

دُنیا انھیں دو چیزوں کا مجموعہ ہے جب تک شیطان نے نافرمانی نہیں کی تھی ہر چیز اچھی تھی۔ سجدۂ آدم سے شیطان کے انکار اور خلقت الٰہی سے اس پہلے کبر و نخوت نے دُنیا میں یہ امتیاز پیدا کیا کہ فلان چیز اچھی ہے اور فلان بُری۔ اسی بنیاد پر اگلے بانیان مذہب نے بھلائی بُرائی کے دو تمائز عالم قرار دے دیے۔ جن میں سے ایک کو یزدان بتایا اور دوسرے کو اہرمن۔

اس کے بعد جب تعلیمات الہامی سے یہ معلوم ہوا کہ اس اصول کی بنا پر ایک بہت بڑا حصہ خداوند جل و علا کے قبضۂ قدرت سے نکلا جاتا ہے۔ اور خدا کی خدائی میں بٹہ لگا جاتا ہے تو سچی تعلیم دینی یہ قرار پائی کہ شیطان یا بُرائیوں کے سکھانے والے کو بھی خدا ہی نے پیدا کیا ہے۔ اور کوئی چیز اُس قادر مطلق کے اختیار سے باہر نہیں۔ اس مسئلہ نے بعد کو جو اختلاف ڈالے اور جبر و قدر کے کرشمے دکھائے اُن سے ہمیں بحث نہیں۔ کیونکہ

کس نکشود و نکشاید بہ حکمت این معمّا را۔ ہمین صرف اس سے بحث ہے کہ
خوب و زشت ہے کیا چیز؟ اور جس چیز کو ہم اچھا کہتے ہین کیا اُس مین کوئی
بُرائی نہین؟ اور جس چیز کو ہم بُرا کہتے ہین اُس مین کوئی خوبی مضمر ہے؟ یا
دوسرے الفاظ مین یون کہا جاے کہ جن چیزون کو ہم بُرا یا بھلا کہتے
ہین کیا وہ فی نفس الامر بُری یا بھلی ہین؟ اس کے جواب مین مادی
اشیاء اور مخلوقات کو بُرا یا بھلا سمجھنا درکنار۔ ہم تو خیال کرتے ہین کہ
جن صفات کو بھی بُرا یا بھلا کہا جاتا ہے وہ نفس الامر مین بُرے یا بھلے نہین
ہر اچھی صفت اور ہر اچھا جذبہ اگر ہم اعتدال سے کام نہ لین تو بُرا ہے
اور ہر بُری سے بُری صفت اگر ہم اُسے بالکل چھوڑ دین تو خدا کی کسی
بہت بڑی نعمت و رحمت سے محروم ہو جائین گے۔

فرض کرو کسی شخص مین غرور ہے۔ اور خود بینی کی وجہ سے وہ
اپنے سامنے کسی کی اصل و حقیقت نہین سمجھتا۔ ہم مانتے ہین یہ بُرا
ہے مگر کیا تم پسند کروگے اگر یہ جذبہ اُس مین سے بالکل مفقود ہو جائے؟
ہرگز نہین۔ اُس صورت مین اُس مین سے خودداری کی صفت بھی مفقود
ہو جائے گی۔ وہ اپنی قدر ہی نہ کر سکے گا۔ اُسے اپنی راے پر بھروسا نہ
رہے گا اور اس صورت مین اُسے کسی امر مین راے قائم کرنے کی جرأت
ہی نہ باقی رہے گی۔ اور نہ اپنے حقوق کو سلطنت سوسائٹی یا اعزّہ
و خاندان کے سامنے پیش کر سکے گا۔

اسی طرح بخل ایک سخت عیب ہے بخیل کی تم بے انتہا مذمت کرتے
اور اُسے حد درجہ کا ذلیل و دنی باور کرتے ہو مگر کیا تمھین گوارا ہو سکتا ہے
کہ اُس شخص مین سے بخل کی صفت بالکل فنا ہو جائے؟ اور کسی کے سوال
کو رد ہی نہ کرے؟ ہرگز نہین۔ کیونکہ اس حالت مین وہ شخص نہایت ہی
فضول خرچ ہو جائے گا۔ اپنی محنت کی اُجرت یا اپنے سرمایہ کو اس بیدردی
سے مٹا دے گا کہ چند ہی روز مین تم اُسے بے وقوف بنا دوگے۔ اور خود سے
ہو کے اُس پر ہنسو گے۔

اطمینان ہین - اور شاعری تو ہمارے بانکے شاعر حضرت کلیم کا حصہ ہے - کلیم لکھنؤ کے موجودہ شعرا مین سربرآوردہ ہین - اور صحت و تنقید الفاظ کی دھن مین لگے رہتے ہین - لیاقت بھی اعلے درجے کی ہے - اور شاعری کے علاوہ فارسی کے ایک جید مدرس ہین - اس دیوان کو اُنھون نے ہمارے شہر کے رئیس اعظم اور امیر مکرم عالی جناب معلے القاب مرزا محمد عباس علی خان بہادر کے نام نامی سے معنون کیا ہے -

بجاے ریویو کے یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دیوان مین سے چند شعر منتخب کر کے ہم ناظرین دلگداز کے سامنے پیش کر دین - ملاحظہ ہو حمد مین فرماتے ہین -

کچھ ایسا کر دیا توحید کے جلوے نے نورانی ۔ جلے تا حشر دل دیکھے اگر شمع حرم میرا

نعت مین کہتے ہین -

زمین مارے خوشی کے وجد مین کیونکر نہ آجائے ۔ فدا کرتا ہے ہر دم طوف پیغمبر کے مرقد کا

رندانہ مزاجی کی شان ملاحظہ ہو -

واعظ کرونگا توبہ نہ کوثر کی حیاٹ پر ۔ پانی سے تو مزہ نہ ملے گا شراب کا
پی تھی شراب ہم نے بھی فصل شباب مین ۔ جس عہد مین گناہ نہ کرنا گناہ تھا
واعظ سے کہدے تری امید بر آئی ۔ ہون تشنہ مین میخانے کا رستا نہین ملتا
ہوئی یہ بھیڑ خدا رکھے بادہ خوار و نکی ۔ شراب خانے سے پیر مغان نکل آیا
جب تک وہ میرے گھر مین ہے یارب سحر نہ ہو ۔ دیکھون نہ اسکے سامنے منہ آفتاب کا
تیرے صدقے تیرے خنجر کے نثار ۔ جو مزہ خنجر کا تھا سب مل گیا
غیر کم بخت کو قاتل نے مرے قتل کیا ۔ کی دوا اُس کی مسیحا نے جو بیمار نہ تھا
ابھی اور مین نہ مرتا جو قضا مری نہ آتی ۔ ابھی اور مین تڑپتا اگر اختیار ہوتا
دفا سے قتل ہو کر بھی نہ منہ موڑینگے اے قاتل ۔ ہم اپنا خون لینگے آپ اُلٹے اپنی گردن پر
اس طرف میری لحد ہے اُسطرف ہے قبر غیر ۔ فاتحہ پڑھنے اگر آئے ہو پڑھنا دیکھکر
اب بتا کسکی کرون عمر یاد اے پردہ نشین ۔ مجمع محشر مین عالم بھر ہے لیکن تو نہین
مری آنکھون مین مرے دل مین آئینے ہو یونہی عشق اسکا ۔ مے کو بھرتے ہین جس طرح کہ پیمانون مین

ہوا ہے ایک سے یاد آسکی ہوتی ایک سے نالہ — مزہ ہوتا جو کوئی اور بھی ہوتی زبان منہ مین
مری عجز بیانی ایک اور نے سی یہ ظاہر ہے — سخن بھرتا ہے عالم بھر مین ہستی ہے بیانی مین
مری خطا جو کچھ ہے نامہ پر سب آسیہ کھل جائے — بتاؤن اور کیا تو بھی ہے رکھتا ہے بیان مین
نکیونکر جلوہ انگن ہو دو گلگون ہو بوتل مین — کبھی برق درخشان ہے کبھی پنہین سلتی ہے زمین
غضب ہے انکی آرائش قیامت ہے مری وحشت — نہ اب گلزار مین گل ہے نہ اب ہے جنگل مین

یہ انتخاب نہیں ہے بلکہ بغیر کسی تخصیص کے جابجا سے اشعار لے لیے گئے ہین ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت کلیم فوٹ و تعلق بندی ہی کے بادشاہ نہین بلکہ بعض اوقات سادہ شعر کہہ جاتے ہین تو وہ بھی قیامت کا ہوتا ہے۔ قیمت عہ جن حضرات کو شوق ہو جناب مصنف سے لکھ کے طلب فرمائین۔

حل نکات بیدل

مجدد السنہ شرقیہ مولانا احمد حسن صاحب شوکت ایڈیٹر شحنہ ہند میرٹھ نے فارسی اور اردو لٹریچر پر بڑی بڑی مہربانیان کی ہین۔ غالب مرحوم کے کلیات اردو اور قصائد خاقانی کے حل کرنے کے بعد آپ نے بیدل کے کلام کی طرف توجہ کی۔ اور اس کا بھی ایک حل ۲۲×۱۸ پیمانے کے ۴۵ صفحون پر طبع فرما کے شائع کر دیا۔ چونکہ یہ حل ہمارے دوست بے خان بہادر حافظ محمد عبد الکریم صاحب سی۔ آئی۔ ای۔ مرحوم رئیس میرٹھ کی یادگار مین لکھا گیا ہے۔ لہذا اسے وہ "زندہ یادگار دوام" کے نام سے بھی نامزد کرتے ہین۔ یا تو ہندوستان فارسی دانی کا مرکز تھا یا اب یہ حالت ہے کہ فارسی نظم و نثر سے لوگ روز بروز نا آشنا ہوتے جاتے ہین۔ آج کل شاذ و نادر ہی کوئی فارسی کا اچھا استاد مل سکتا ہے۔ پڑھانا درکنار فارسی کے سمجھنے والے بھی بے قدری زمانہ دیکھ کے آغوش لحد مین سو گئے۔ ایسے نازک وقت مین حضرت شوکت کا کلام بیدل کی طرف توجہ کرنا فارسی زبان اور

فارسی شاعری کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ بیدل کا کلام فارسی کی مشکل ترین نظموں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور بیدل کی اطلاق ہندی ... پردازی مشہور ہے۔ آج ہندوستان میں کلیات بیدل کے پڑھنے والے کم ملیں گے۔ کیونکہ ہندوستان کی فارسی دانی بہت ہی ادنے اور حقیر ہوتی جاتی ہے۔ اور جہان تک ہمیں بعض اشعار کا حل دیکھنے کا موقع ملا کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے عالم و فاضل دوست کو کامیابی ہوئی ہے۔ قیمت کچھ نہیں صرف عہد ہے۔ فارسی کے شائقین کو ایسی اشاعتوں کی قدر دانی کرنی چاہیے۔ ورنہ تھوڑا بہت مذاق سخن جو باقی ہے یہ بھی مٹ جائے گا۔ درخواستیں خود مصنف کے نام پر شہر ہیر گڑھ میں بھیجی جائیں۔

میڈیکل جورسپروڈنس

یہ ایک اعلے درجے کی تصنیف اور نہایت ہی عمدہ سفید کاغذ پر ٹائپ کی چھپی ہوئی کتاب ہے جس میں جراحی کا جس قدر حصہ عدالت اور قانون سے تعلق رکھتا ہے بڑی تفصیل سے اور مستند طریقے پر بیان کیا گیا ہے۔ استناد اور خوبی کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ اس کے مترجم مولوی سید علی صاحب بلگرامی ہیں۔

کسی قانونی کتب خانے اور کسی وکیل کی الماریوں کو اس کتاب سے خالی نہ ہونا چاہیے۔ خصوص انگریزی نہ جاننے والے وکلا کے لیے یہ کتاب نعمت غیر مترقبہ ہے۔ قیمت فی جلد ۶ عـ علاوہ محصولڈاک۔

اور جدھر دیکھیے اُن کا نام عزت و حرمت سے لیا جاتا تھا۔ اگر امجد علی شاہ جناب ثریا جاہ کی عمر میں خدا برکت دیتا تو آغانی صاحب کی بے انتہا قدر ہوتی اور وہ روز افزوں ترقی کرتے۔ کیونکہ خود تاجدار سلطنت کی جان اُن کی رہین منت تھی۔ لیکن انقلاب سلطنت نے انھیں بظاہر بے پروائی کے ساتھ اُس جگہ سے ہٹا دیا۔ اس ظاہری بے قدری سے شاید اُس موقع پر خود آغانی صاحب کے دل میں کچھ ملال پیدا ہوا ہو مگر ہم تو یہی کہیں گے کہ خدا کا فضل و کرم آغانی صاحب کے شامل حال تھا۔ اور اُس حضرت رب العزت کو یہی منظور تھا کہ وہ اُس شہر میں موجود رہیں جو عن قریب تباہ ہونے والا تھا۔ چنانچہ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ چند ہی روز بعد لکھنؤ ایسی کاجل کی کوٹھری بننے والا تھا جس میں کسی کا بھی دامن کالک لگنے سے نہ بچ سکا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سنہ ۱۲۶۳ھ میں جب حضرت محمد واجد علیشاہ تخت سلطنت پر رونق افروز ہوئے تو یکایک شاہی مصارف بڑھ جانے سے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ تحصیل وصول کے کام پر ایسے عہدہ دار مامور کیے جائیں جو پوری سرکاری رقم وصول کر دیں۔ بخلاف اس کے یہاں کا دستور یہ تھا کہ جو عہدہ دار جو اس خدمت پر مامور کر کے بھیجے جاتے اکثر تو سرکاری رقم وصول ہی نہ کر سکتے اور بعض وصول بھی کر لیتے تو خود کھا جاتے اور سرکار کو ہر سال نقصان اُٹھانا پڑتا۔ شاید ان خرابیوں کی طرف کسی کا خیال بھی نہ جاتا مگر ضرورت نے مجبور کیا۔ لیکن اب توجہ ہوئی تو ایسا عہدہ دار ملنا مشکل تھا جو منتظم بھی ہو اور دیانت دار بھی ہو۔

ظاہر ہے کہ قرعۂ انتخاب آغانی صاحب کے سوا کسی کے نام پر نہ پڑ سکتا تھا۔ چنانچہ پہلے بجنور کا علاقہ جو لکھنؤ سے قریب ہی تھا اور اُس کی تحصیل چودہ لاکھ روپیہ کی تھی اُن کے سپرد کیا گیا۔ یہ علاقہ ہاتھ میں لیتے ہی آغانی صاحب نے ایسے کارہائے نمایاں دکھائے کہ ہر طرف واہ وا ہونے لگی اور سارے شہر میں دھوم مچ گئی۔ بغیر کسی زحمت و دشواری کے

اور نہایت امن و امان کے ساتھ سرکاری مالگزاری کا وصول ہو جانا اُس عہد میں کوئی آسان کام نہ تھا۔ اب کیا تھا؟ دربار میں سب سے زیادہ قدر آغائی صاحب ہی کی ہوتی تھی۔ اور یہ حالت تھی کہ بڑے بڑے اہم معاملات بغیر آغائی صاحب کے مشورے کے طے نہ ہوتے تھے۔

مدار الدولہ نواب علی نقی خان بہادر نے جب اس نوخیز اور نوعروج عہدہ دار سلطنت کی یہ کارگزاریاں دیکھیں تو انتہا سے زیادہ قدر کی۔ عزت حرمت سے اپنے دربار میں بلوایا۔ اور اکثر معاملات میں اپنا شیر بنا لیا مگر پھر بھی اس کا اندازہ نہ کر سکے کہ ایسے صائب الرائے اور صاف باطن شخص کی اُن دنوں خود دار السلطنت کو زیادہ ضرورت تھی یا اضلاع کو۔ سچ یہ ہے کہ اس زمانے میں لکھنؤ کا دربار بیرونی اور خاصتہً دولت برطانیہ سے تعلقات کے لحاظ سے اُنکے حسن تدابیر کا بہت زیادہ محتاج تھا۔ مگر خزانے کے خالی ہونے اور روپیہ کی بے انتہا مانگ [illegible] کے باعث [illegible] یہی مناسب معلوم ہوا کہ علاقے کے انتظامات آغائی صاحب کے ہاتھ میں [illegible] اور شہر کو اُن کی حکمت عملیوں سے محروم کر دیں۔

جو چیز ہو چکی ہو اُس کی نسبت بعد کو یہ رائے قائم کرنا کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ بات نہ ہوتی۔ تقدیر سے لڑنا اور مشیت ایزدی کو کمزور بادر کرنا ہے۔ لیکن آج کل کے مورخین کی یہی وضع قرار پا گئی ہے کہ سیر اور کے [illegible] اور یہ رائے [illegible] کرتے ہیں کہ اگر یہ اسباب نہ پیش آئے ہوتے تو ایسا نہ ہوتا اُنھیں کی تقلید میں ہم بھی غالباً کہہ سکیں گے کہ اگر آغائی صاحب [illegible] نہ جدا کیے گئے ہوتے اور ان کے مشوروں پر عمل کیا جاتا تو دولت برطانیہ اور سلطنت اودھ کے تعلقات ایسے نازک نہ ہونے پاتے کہ انتزاع سلطنت کی نوبت آتی۔ وہ یقیناً برٹش رزیڈنٹ کی [illegible] باتوں پر عمل کرتے۔ اُن کی شکایتوں کو دور کرتے [illegible] اور شاید تخت و تاج لکھنؤ کو بہت دنوں کے لیے بچا لیتے۔

افسوس ہے کہ [illegible] دنوں دربار میں کوئی بڑا مدبر اور منتظم نہ تھا موجود تھا۔ اور لکھنؤ کی عیش پرستی نے ایسے لوگ پیدا ہی بہت کم کیے اور

چند لوگ تھے بھی وہ علی نقی خان کے عہد میں یا تو خانہ نشین کر دیے گئے اور
یا باہر علاقے پر بھیج دیے گئے۔

خود آغائی صاحب سلطنت کی نازک حالت سے آگاہ تھے۔ اور
ممکن تھا کہ وہ حمیت وطن کے جوش میں خود ہی کوشش کرتے کہ لکھنؤ
باہر نہ جائیں۔ اور جہاں تک بنے طوفان زدہ کشتی کو ڈوبنے سے بچائیں۔
لیکن اس کے ساتھ انھیں یہ بھی نظر آتا تھا کہ دربار کی حالت بگڑی ہوئی
ہے۔ نہ میرے کہنے پر عمل کیا جائے گا اور نہ شنوائی ہو گی۔ ایسی صورت
میں یہاں رہنے کا نتیجہ سوا اس کے کہ خود اپنی پیشانی پہ بدنامی کا داغ
لگا لیا جائے اور خود اپنی زندگی خطرے میں ڈال دی جائے اور کچھ نہیں
ہو سکتا۔ اس خیال سے آغائی صاحب نے خود بھی شہر سے چلے جانے
کو غنیمت جانا۔ اور اس پاک باطن درویش کی طرح جو دنیاوی نعمتوں سے
تنگ آ کے جنگل کی طرف بھاگتا ہے لکھنؤ چھوڑ کے دیہات کو اپنا گوشۂ عافیت
بنانا ہی مناسب خیال کیا۔ خلاصہ یہ کہ انھوں نے دربار میں رہنے کی
بالکل کوشش نہیں کی۔ اور محکمۂ وزارت سے جو کچھ حکم ملا ہنسی خوشی
قبول کر لیا۔

اودھ کی نظامتوں میں سب سے بڑی نظامت سلطانپور کی تھی
اور دریا آباد رُدولی کا علاقہ گو کسی خاص نظامت کے نام سے نہیں
موسوم کیا گیا تھا لیکن وہ بھی بجائے خود ایک بڑا علاقہ تصور کیا جاتا
تھا۔ ان دونوں علاقوں کی حکومت آغائی صاحب کے ہاتھ میں دی گئی
اور آپ ایک بڑے معزز پایہ کے ناظم و حاکم بن کے شہر سے روانہ ہوئے

جن لوگوں نے چند ورق پیشتر آغائی صاحب کے وطن سے آنے
کی تصویر دیکھی ہے کہ بے کسی کو خبر کیے انگرکھے کے بند باندھتے گھر سے
نکل کھڑے ہوئے۔ وہی ناظرین اب یہ بھی دیکھیں کہ وہ یوسف گم گشتہ اب
کس شان اور کس تزک و احتشام سے اپنے گھر اور اپنے انھیں اعزا و احباب
کی طرف جاتا ہے جنھوں نے طعنے دے دے کے اسے غریب الوطن اور

بے خانماں کیا تھا۔ اب آغا علی خاں اس شان سے جا رہے ہیں کہ بہت سا لشکر آگے پیچھے ہے۔ بڑے بڑے بانکے ترچھے سورما آلات جنگ سے آراستہ انھیں اپنے جھرمٹ میں لیے ہوئے ہیں۔ نوبت نشان ساتھ ہے روشن چوکی بجتی جاتی ہے۔ رسالے پلٹنیں اور توپ خانے ہمراہ رکاب ہیں۔ اور قدم قدم پر ڈنکے پر چوٹ پڑتی جاتی ہے۔ جس جگہ ٹھہرتے ہیں وہ بادشاہ کے قائم مقام ہیں۔ مگر جس علاقے میں گزر رہے ہیں اور جہاں جا رہے ہیں وہاں کے بادشاہ گویا وہی ہیں۔

یہ پورا علاقہ جس کی حکومت خلعت اور خطاب مرزا بہادر کے ساتھ ۱۸۴۹ء میں مرزا آغا علی خان کے ہاتھ میں دی گئی بڑا سخت اور سرکش علاقہ خیال کیا جاتا تھا۔ کیونکہ جیسے نادر شاہ بہت روز میں مارا اور جہاں جب فوج اور باغیانہ تیوروں کے تعلقدار اس علاقے میں تھے نہیں چاہتے تھے خود سرکاری رقم نہ دینا در کنار وہ لوگ علانیہ اور درم دا خیہ کے ساتھ کوشش کیا کرتے تھے کہ اپنے علاقے میں سے سرکار کو ایک حبہ نہ وصول ہونے دیں۔ علی الخصوص چند روز سے ان دونوں علاقوں کی یہ حالت تھی کہ سرکاری رقوم کا وصول کرنا قریب غیر ممکن ہو گیا تھا۔ سلطنت کے بڑے بڑے تجربہ کار اور چیدہ و آزمودہ افسر عزت و حکومت سے سرفراز کر کے بھیجے جاتے تھے اور چند روز تک ناکام و نامراد و دست بے نیل مرام واپس آتے تھے۔ یہاں تک نوبت پہونچی کہ زمانہ مت سلطانپور پر ہر سال ایک نیا ناظم مقرر کر کے بھیجا جاتا اور سال کے ختم ہونے سے پہلے ہی نالائق بنا کے واپس بلایا جاتا۔ اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ ۱۸۳۵ء سے ۱۸۴۹ء تک یعنے چودہ برس کے زمانے میں تیرہ افسر سلطان پور کی نظامت پر مقرر و معزول ہوئے۔ ان باتوں کا یہی نتیجہ نہیں ہوا کہ بادشاہ کو اپنے مصارف کے لیے روپیہ نہ ملتا تھا بلکہ سلطنت اودھ دیگر مقامات میں بدنام اور برٹش عہدہ داروں کی نظر میں حقیر و ناکارہ محض ثابت ہو گئی۔ آخر ایک بڑے مدبر کا گزر ا

راجہ درشن سنگھ جو شروع سے سنہ ۱۸۴۳ء تک بعہد نصیر الدین حیدر بادشاہ کے عہد
مین سلطانپور کے ناظم رہ چکے تھے تعلقہ دریاآباد رودولی کے عامل مقرر
کیے گئے۔ اُس وقت سلطانپور کی نظامت پر پہلے راجہ مان سنگھ مامور تھے
اُن سے مطلب نہ نکلا تو واجد علیخان جو پہلے سنہ ۱۸۴۷ء مین بھی یہان کے ناظم
رہ چکے تھے دوبارہ ناظم مقرر کیے گئے۔ لیکن سلطنت کو روپیہ نہ وصول ہونا
تھا نہ ہوا۔ راجہ درشن سنگھ کا باوجود اگلے زمانے کی کامیابیون اور تجربہ
دیرینہ سالی کے دریاآباد مین زور نہ چلا اور نہ واجد علی خان کو سلطانپور
کی تحصیل وصول مین کامیابی ہوئی۔
غرض یہی دونون پرانے تجربہ کار مقتدر اکرام عامل و ناظم تھے جن سے
آغائی صاحب نے سنہ ۱۸۴۵ء مین بڑی شان وشوکت سے جا کے چارج
لیا۔ اور دربار کی سازشون کے جال سے نکل کے ایک بڑے ملک کے
سیاہ و سفید کے مالک ہو گئے۔

چھٹا باب

علاقہ سلطانپور اور ملک کی عام حالت

اب ضرورت ہے کہ آغائی صاحب کے ورود سے پہلے ہم علاقہ
سلطانپور کے کچھ حالات بیان کر دین تاکہ معلوم ہو جائے کہ جس علاقے
کی عنان حکومت انھون نے اپنے ہاتھ مین لی وہ کیسا اور کس قسم کا تھا۔
برٹش نظام حکومت نے سلطانپور کو اودھ کے ایک ضلع کا صدر مقام
قرار دیا ہے جس کے حیطۂ اقتدار مین ۱۷۰۰ مربع میل زمین ہے اُسکے
شمال مین ضلع فیض آباد مشرق مین جونپور جنوب مین پرتاب گڈھ اور
مغرب مین رائے بریلی ہے۔ اور سنہ ۱۸۹۱ء مین پورے ضلع کی مردم شماری
۹۵۷۹۱۲ آدمیون کی تھی۔ اس علاقے مین کئی ندیان بھی ہین جن مین
دریائے گومتی بڑا ہے اور خاص شہر سلطانپور کے اُسی جانب

اس وضع سے بہا کہ گویا آبادی کو چکر کھا کے اپنے آغوش مین لے لیا ہے گومتی کے بہتے ہوئے پانی کے درمیان مین سلطان پور ایک چھوٹے جزیرہ نما کی شان سے نگینہ کی طرح جڑا ہوا نہایت خوب صورت نظر آتا ہے

پُرانی تاریخ جو سرکاری کاغذات سے ظاہر ہوتی ہے صرف اس قدر ہے کہ قدیم الایام مین راجہ رامچندر جی کے بیٹے کُش نے یہان ایک بستی آباد کی تھی۔ بانی کی یاد تازہ رکھنے کے لیے اُس کا نام کُسا بھاون پور مشہور ہو گیا تھا۔ چندروز بعد جب قوم بھر کا عروج ہوا تو اُن لوگون نے اس بستی پر قبضہ کر لیا۔ یہان اُنھین لوگون کی حکومت تھی کہ ستارہ اسلام چمکا۔ اسلامی صف شکن مجاہد ہندوستان مین داخل ہوئے۔ لیکن اس چھوٹی بستی سے اُنھون نے کسی قسم کا تعرض نہین کیا تھا کہ یہان کے ناعاقبت اندیش بھر قوم کے حاکم نے خود ہی مسلمانون کو چھیڑا۔ اور ایک چشم زدن مین اپنی آبائی میراث ہاتھ سے کھو دی۔

ہوا یہ کہ دو شریف مسلمان سید محمد اور سید علاء الدین جو بھائی بھائی تھے اور گھوڑون کی تجارت کرتے تھے گھوڑے فروخت کرنے کے لیے اس علاقے مین آئے اور کچھ گھوڑے کُسا بھاون پور کے بھر رئیسون کی خدمت مین لا کے پیش کیے۔ اُن لوگون نے یہ حرکت کی کہ گھوڑے زبردستی چھین لیے اور اُن دونون سیدون کو شہید کر ڈالا۔ ان دنون شہنشاہ علاء الدین غوری کا زمانہ تھا۔ اُسے خبر پہونچی تو رگ حمیت جوش مین آ گئی۔ اور ایک زبردست لشکر ہمراہ رکاب لے کے خود اس سرکش گاؤن کی طرف چل کھڑا ہوا۔ مگر یہان کا قلعہ اس قدر مضبوط تھا اور خود دریا نے کھائی کا کام دے کے اُسے ایسا زبردست بنا دیا تھا کہ بھر لوگون نے بھی بادشاہ کی حملہ آوری کی پروا نہ کی۔ اور لڑنے کو تیار ہو گئے سلطان نے آتے ہی قصبہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور بھر لوگ اپنے دشوار گزار قلعہ مین متحصن ہو کے اطمینان سے بیٹھ رہے۔ برس بھر کے محاصرے کے بعد بھی جب کوئی نتیجہ نہ ظاہر ہوا تو سلطان نے الحرب خدعۃ

کے اصول پر عمل کرنا چاہا مشہور کر دیا کہ مین لڑائی سے عاجز آ گیا۔ اور اب ارادہ ہے کہ واپس چلا جاؤن ساتھ ہی پھر لوگون کو دوستی کا پیام دیا کئی سو پالکیان جن پر سطلا و مذہب پردے پڑے ہوئے تھے ہدیتہً قلعہ والون کے پاس بھیجین۔ اور کہا گیا کہ ان مین بہت سا قیمتی سامان رکھا ہوا ہے جو تحفے کے طور پر پھر لوگون کو عطا کیا گیا ہے۔ پھر لوگ بھرے مین آ گئے اور فوراً قلعہ کا پھاٹک کھول دیا۔ اور پالکیان اندر داخل ہو گئین۔ وہان پہونچنے کے بعد ان پالکیون مین سے جو تحفے وہ لایا نکلے وہ مسلمان بہادر اور مسلح سور ما تھے۔ ان لوگون نے پالکیون سے اترتے ہی حملہ کر کے قلعہ والون کو منتشر کر دیا۔ پھاٹک کھول کے اپنے قبضے مین کر لیا۔ ان کی تکبیرون کی آواز سن کے باہر کا سلطانی لشکر بھی اندر داخل ہو گیا۔ گسا بھادن پور کے تمام سرکش تہ تیغ ہوئے شہر اور قلعہ مسمار و ویران کر دیا گیا۔ اور اس کی جگہ سلطان نے ایک نئی بستی آباد کی جس کا نام سلطان علاء الدین نے اپنے نام کی نسبت سے سلطان پور رکھا اور کچھ لوگون کو اپنی طرف سے یہان چھوڑ کے دہلی کی راہ لی۔

جس طریقہ سے اس چھوٹے سے قلعہ کی فتح بیان کی گئی ہے قیاس سے باہر ہے۔ یہی واقعہ قدیم الایام کی مختلف فتحون کی جانب منسوب کیا گیا ہے۔ اور سمجھ مین نہین آتا کہ ایسا فریب ایک جگہ چل جانے کے بعد دوسری جگہ کیونکر چل سکتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہی چال چتور کے راجہ کی نازنین بیٹی اپنے باپ کے چھڑانے کے لیے خود سلطان علاء الدین کے ساتھ چلی تھی۔ اور راجہ کو کامیابی کے ساتھ نکال لے گئی تھی۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس قسم کے واقعات گو تاریخون کے صفحات پر بھی درج ہو گئے ہین مگر قصہ کہانی سے زیادہ وقعت نہین رکھتے۔ خصوصاً گسا بھادن پور کے ایسے ادنے مقام مین چند معمولی زمینداروں کے زیر کرنے کے لیے سلطان علاء الدین کے ایسے صاحب جلال

سلطان کا برسوں پھر تک پڑا رہنا اور پھر یون دھوکا دے کے کامیاب ہونا اُس قسم کی خارج از عقل باتین ہین جو اگلے دنون اکثر خاندانی کارناموں مین شامل کردی جاتی تھین۔

لیکن اس مین شک نہین کہ اسلام کی برکتین میان علاء الدین غوری کے علم کے ساتھ آئین۔ اور اُس کے عہد مین یہ قصبہ کسا بھاون پور سے سلطان پور بنا۔ اس کے بعد کے واقعات کو آغائی صاحب کی لائف سے چونکہ بالکل تعلق نہین لہذا اُن کا بیان کرنا بے لطفی سے خالی نہین۔ سمجھ لینا چاہیے کہ سلطنت کے انقلابات اُس بستی اور اُس کے علاقے پر اپنا اثر ڈالتے رہے ہون گے جون پور کی سلطنت شرقی کے وقت تک یہ ضلع دہلی کی قلمرو سے خارج اور شرقیین کے زیر علم رہا۔ پھر دہلی کی نیابت منا(؟) کی حکومت شروع ہوئی۔ اور جب خاندان تیموری مین اپنے مقبوضات کے سنبھالنے کی طاقت نہ رہی تو سعادت خان برہان الملک اپنا زبردست لشکر لے کے اودھ مین آئے اور علاقہ سلطان پور بھی تابع ہوئے۔ اور نئی سلطنت اودھ کا آغاز ہوا۔

اس خاندان کے وارثان تاج و سریر نے کچھ دنون تک پورا رعب و داب قائم رکھا۔ اور نظم مملکت کے جوہر دکھائے۔ مگر چند روز بعد عیش طلبی نے اُن کی قوت ابھی کمزور کی جس کا افسوس ناک نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ رعایائے سلطان پور اپنی قدیم عادت کے مطابق سرکشی و تمرد ظاہر کرنے لگی۔ اور سلطنت کو اُن سے محاصل سرکاری کا وصول کرنا بھی دشوار تھا۔ ایسے نازک وقت مین وزیر سلطنت علی نقی خان نے مرزا آغا علی خان کی طرف توجہ کی۔ اور اُنھین اپنے وطنی علاقے کا عامل اور علاقہ سلطان پور کا ناظم مقرر کیا۔

یہ عہدہ سلطنت اودھ مین اتنا بڑا اور ایسا باوقعت تھا کہ

اور کہاں بدنما لباس کے اندر خوبیاں ہیں۔

بادشاہ نہایت ہی خوش رو اور صاحب جمال ہے۔ اور عجیب آن بان سے عدالت گستری کے تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ اُس کے تاج میں کچھ ایسے عجیب و غریب جواہرات لگے ہیں کہ اُن کی ضو ہر اُس شخص نا چیز پر جو فیصلے کے لیے سامنے پیش ہو پڑتے ہی اندر تک پیوست ہو جاتی ہے۔ اور صاف آشکارا ہو جاتا ہے کہ کس میں کیا کیا حُسن ہیں اور کیا کیا عیب۔

میں حیران تھا کہ بار الٰہا یہ کس کا دربار ہے اور یہ کون شخص ہے۔ اگر اس دربار ہال کو دیکھتا تو یقین ہو جاتا کہ یہ کوئی دنیا کا دربار نہیں۔ فردوس بریں ہے اور بادشاہ کی طرف نظر اُٹھاتا تو دل گواہی دیتا کہ یہ انسان نہیں فرشتہ ہے۔ انسان میں بھلا یہ بات کہاں۔ جسمانی پُتلے میں لاکھ حُسن و جمال ہو۔ ہزار دلفریبی و رعنائی ہو مگر نہ یہ نورانیت ہو سکتی ہے اور نہ ایسی معصومیت کہ کسی فیصلے میں خطا اور لغزش کا احتمال ہی نہیں۔

اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ دو چوبدار عصے ہاتھ میں لیے ہوئے آئے اور عرض کیا حضور۔ پانچ نازآفرین سرو قامتیں حاضر ہوئی ہیں جن میں سے ہر ایک کو اپنے حُسن پر زیادہ ناز ہے۔ اور اپنے سامنے سب کو ہیچ اور ذلیل و خوار سمجھتی ہے۔ حکم ہوا اچھا بُلاؤ۔ مگر سب ایک ساتھ نہ آئیں۔ ایک ایک کر کے آئیں تاکہ ہر ایک کی حالت کا جُدا جُدا اندازہ کیا جا سکے۔ چوبدار گئے۔ اور ساتھ ہی ایک پری رُخ چھلاوے کی طرح آ کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ گویا کسی نے مہتاب چھوڑ دی۔ یا آسمانی نور انسانی سانچے میں ڈھل کے متشکل ہو گیا ہے۔ حاضرین دربار میں سے جس کی نظر پڑی محو حیرت ہو کے تصویر بن گیا۔ اور قریب تھا کہ سب لوگ بے خود و بے اختیار ہو کے اُس کے سامنے سجدے میں گر پڑیں۔ مگر بادشاہ نے اپنی روحانی توجہ سے کسی صاحب تصرف ولی کامل کا سا کمال دکھا دیا۔ سر کی ایک ادنیٰ حرکت سے تاج کے نورانی جواہرات کی ضو اس طرح اُس کے دل فریب چہرے پر ڈالی کہ معلوم ہوا گویا ہمارے ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب کسی کی آنکھوں پر خوردبین سے دیکھنے کے لیے شیشہ کی شعاعیں ڈال رہے ہیں

نہ آئے تھے کہ اس ہی کے پہلو میں معائب نظر آ گئے۔ اُس پری وش کی چشم فتان کی ساری سحر کاریاں فنا ہو گئیں۔ اور تمام حاضرین جھجک جھجک کے سنبھل گئے۔ بادشاہ نے اُس ماہ وش کو اچھی طرح دیکھ کے پوچھا تمہارا نام کیا ہے۔ جواب ملا "نادرو"۔

اب دوسری نازنین کو حاضر ہونے کا حکم دیا گیا۔ ساتھ ہی ایک نغمۂ ہوش رُبا کی آواز کانوں میں آئی اور ایک حور وش جبین کندھے پر رکھے سُریلے گلے سے ایسی خوش نوائیاں کرتی ہوئی دربار میں آئی کہ تمام لوگوں پر وجد کا عالم طاری ہو گیا [illegible] نغمات [illegible] کا [illegible] تھا اور ہر قدم ایسی ترتیب و موزونیت سے پڑتا تھا کہ دیکھنے والوں کے ہوش و حواس غائب ہوئے جاتے تھے۔ کہ آن کی آن میں سارا دربار محفل حال و قال بن گیا اور جو تماشائی تھا [illegible] والا جو جس کے قابو میں ہوا اُس پہ قربان کر دے۔ مگر پھر اس فرشتہ سیرت بادشاہ نے اپنے جواہرات اور اپنی معجز نما روحانی قوت سے لوگوں کو سنبھالا تجویز کیا جو سارے دربار پہ طاری تھی دور ہو گئی۔ اور لوگوں کو معلوم ہوا ان پر کس بلا کا جادو چل گیا تھا۔ آخر سب کے ہوش و حواس بجا آ کے اُس نے نازنین کا نام پوچھا اور اُس نے بتایا کہ مجھے "خوش گلو" کہتے ہیں

اندر سبھا کی پریوں کی طرح جب یہ نازنین ایک طرف جا کے ٹھہر گئی تو تیسری کو حاضری کی اجازت دی گئی۔ فوراً ایک شیریں ادا ناز آفرین مس کے ہاتھ جنت کے سیب اور لب لعلیں حلوائے بے دود کا دھوکا دیتے تھے ایک تھالی میں انواع و اقسام کی لذیذ مٹھائیاں لیے ہوئے ایسی لالچ دلانے والی ادا سے سامنے آ کے کھڑی ہو گئی کہ سب دیکھنے والوں کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اور صورت دیکھتے ہی بھوک لگ آئی۔ اس کی ہر ادا میں ایسی شیرینی اور اُس کے حُسن ملیح میں ایسی نمکینی تھی کہ جو تھا صورت دیکھتے ہی بے خود و بے ہوش ہو گیا۔ اور ہر دل میں کچھ ایسی بیتابانہ رغبت پیدا ہوئی کہ قریب تھا لوگ اس پر اور اُس کی تھالی پہ جھپٹ پڑیں۔ کیونکہ وہ ایسے شاداب اور تازے میوے اور ایسی اقسام و انواع کی نعمتیں ناظرین کے سامنے پیش کر رہی تھی کہ لوگوں کے دل ہاتھ سے نکل گئے۔ مگر اُسی بادشاہ نے جو اِس

آب حیات کا چشمہ ہے"
عنبرین مو نے بیان کیا" میری زلف کی خوشبو دماغ کو محظوظ اور روح کو تازہ کرتی ہے۔ اور میری نکہت دماغوں پر ایسا بےخود کرنے والا اثر ڈالتی ہے کہ مزہ دار مستی میں وہ دنیا کے سارے فرضوں کو بھول جاتے ہیں"
گلبدن نے سب ساتھ والیوں پر حقارت کی نظر ڈال کے ظاہر کیا" میرا جذب، وہ اثر فرشتہ کو شیطان اور مومن کو کافر بنا دیتا ہے جب میں اپنی کشش کی کمند ڈالتی ہوں انسان تو انسان فرشتہ بھی کچھ ایسی غیر قابل بیان لذت سے میری طرف کھنچتا ہے کہ نہ اسے اپنی نیک و بد کی خبر رہتی ہے اور نہ اپنے آغاز و انجام کی"

بادشاہ "غرض یہ کہ تم پانچوں آفت روزگار ہو"
ماہ رو "میں تڑپا دیتی ہوں"
خوش گلو "میں لبھا لیتی ہوں"
شیریں "میں زندگی بےمزہ کر دیتی ہوں"
عنبرین مو "میں مست اور متوالا کر دیتی ہوں"
گلبدن "اور میں دیوانہ بنا دیتی ہوں"

اس بامزہ لڑائی کو سب لوگ حیرت سے دیکھتے اور محویت کے ساتھ سن رہے تھے کہ بادشاہ نے کہا" تمھارا فیصلہ آسان نہیں اور جب تک تمھارے صفات بالکل جدا اور دوسری صفتوں سے معرا ہو کے نہ نظر آئیں تصفیہ نہیں کیا جا سکتا۔ اول تو تم پانچوں خوب صورت اور پری جمال ہو۔ ماہ رو میں حسن صورت کے ساتھ لطف عنبرین بھی موجود ہے۔ خوش گلو خوش آوازی کے کمال کے ساتھ حسین بھی ہے۔ شیریں میں شیریں لبی کے ساتھ زیبائی و رعنائی کی صفت بھی موجود ہے۔ عنبرین مو سامعہ نوازی کے ساتھ نظر فریب بھی ہے۔ گلبدن کے نرم اور گدگدے بدن سے پرستی کا زیور بھی ہے۔ اور پھر نسائیت کی کشش تم پانچوں میں یکساں ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ تم میں ایک صفت کے سوا اور سب صفات معطل و فنا کر دیے جائیں۔ تمھارا فیصلہ اس وقت ہو سکتا ہے جب دوسری صفتوں

علاج کیا مگر سب تدبیرین بے سود ہوئین تو بیزیدیون کے شیخ ناظر کی طرف توجہ کی۔ اُنھون
نے اُس عورت کے شوہر سے ایک بکرا ذبح کرایا۔ اُس کا خون عورت کی پیشانی پر
چھڑکا۔ پھر شیخ عادی کے مزار کی مٹی پانی مین گندھوائی اور اُس کے سینے پر
موٹا موٹا لیپ کیا۔ اُس کی بائین کلائی مین ایک ڈورا باندھا۔ اور سات دن
تک اُسے تنہا ایک مکان مین رکھا۔ اور اس مدت مین اُسے کھانے کو
صرف ایک خاص قسم کی روٹی دی جسے شیخ ناظر خود اپنے ہاتھ سے پکاتا تھا۔
غرض اس تدبیر سے وہ عورت بالکل اچھی ہو گئی مسلمانون کو اس پہ حیرت ہوئی
تو ایک شخص نے اُس بزرگ سے اس کا سبب پوچھا۔ اُنھون نے فرمایا۔
"تو یہ کون تعجب کی بات ہے کہ کوئی ناپاک شخص کسی ناپاک روح کو بھگا دے"۔

لیکن یزیدیون کے پاس کوئی مذہبی کتاب نہین ہے۔ اور معرفت کی
باتین جنھین وہ عبادت کے وقت گایا کرتے ہین خاندان مین نسلاً بعد نسل ایک
دوسرے سے ملتی چلی آتی ہین مسلمان علما اُن کی نسبت نہایت سخت فتوے دیتے
ہین۔ اور باوجودیکہ حکومت مسلمانون کی ہے مگر علما کی یہ حالت ہے کہ استمالت
اور موعظۂ حسنہ سے کام لینے اور سمجھا بجھا کے حق کی طرف مائل کرنے کے عوض
خود بھی اُن کے ساتھ زیادہ تعصب کرتے ہین اور اُنھین بھی زیادہ متعصب
بنا دیتے ہین۔ فی الحال مشنری پادریون نے ان لوگون سے مل جل کے
بہت کچھ اُن کی وحشت مٹا دی ہے۔ اور اُنھین اپنے ڈھرے پر لگانا شروع
کر دیا ہے۔ مگر مسلمان بزرگان دین اُسی طرح کفر و الحاد اور واجب القتل ٹھہرانے
کے فتوے دے رہے ہین۔ ان باتون نے ایسی نفرت پیدا کر دی ہے کہ بعض اوقات
سخت افسوسناک واقعات ظاہر ہو جاتے ہین۔

قصبۂ قابیر کے ایک عالم ملا محمد کا واقعہ ہے کہ کتابون کی ایک گٹھری پیٹھ پر
لادے اور ڈھال تلوار لگائے ہوئے تن تنہا گھر سے چلے کہ شہر بایزیدیہ مین جا کے
لوگون کو دین کی تعلیم و تلقین کرین۔ وادی اباغہ سے پار ہو رہے تھے اور چند
پہاڑیون کے پاس پہنچے کہ ناگہان آٹھ یزیدی ڈاکو سوار آپڑے جو راہگیرون
کی تاک مین لگے ہوئے تھے۔ اُنھون نے آتے ہی ملا صاحب کو پکڑا۔ باندھا

جو کچھ پاس تھا چھین لیا۔ اور انھیں چٹانوں کی آڑ میں جہاں وہ لوگ چھپ کے بیٹھا
کرتے تھے پکڑ لے گئے تاکہ مار ڈالیں۔ اُن میں ایک یزیدی پیر بھی تھا جس نے
تلوار کھینچ لی۔ اور اُسے ملا محمد کے سر کی طرف جھکا کے کہا "لے اب محمد (صلعم) کا
دین چھوڑ کے یزیدی بنو۔ نہیں تو جان جاتی ہے" ملا محمد نے کہنا شروع کیا
"خداوندا مجھے بے دینی سے بچا۔ اگر یہ شخص مارتا ہے تو مار ڈالے میں سمجھوں گا
کہ خدا کی یہی مرضی تھی۔ اور اُسکی خوشی پر راضی ہوں گا"

تب یزیدی پیر بولا "اچھا اگر تیرا دین سچا ہے تو اپنے محمد (صلعم) کو پکار کہ
تجھے آکے بچا لیں" ملا محمد نے کہا "محمد صلعم کو کیا خبر کہ میں کس حال میں گرفتار ہوں"
یزیدی پیر "تو اپنے محمد کو پکار شاید وہ آکے تجھے میرے ہاتھ سے بچا لیں"
اصل یہ ہے کہ یہ بے دین یزیدی ملا محمد کو صرف چڑھاتا تھا تاکہ اُن کے سامنے
اُن کے دین کی تحقیر کرے۔ چنانچہ کہنے لگا "قبل اس کے کہ میں تیری جان لوں
تو تین بار گلا پھاڑ پھاڑ کے اپنے محمد (صلعم) کو پکار لے" ملا محمد سے اسکا انکار نہ
بنی۔ آخر بیچارے نے حسرت کے ساتھ تین دفعہ چلا کے کہا "یا محمد! یا محمد!
یا محمد!"

خدا کی قدرت! اتفاقاً اس وقت حیدرانی قبیلہ کا ایک شخص جس کا نام
محمد تھا دس ماتحت سواروں کے ساتھ اُدھر سے گزر رہا تھا۔ اُس نے جو یہ
آواز سنی تو اپنے ہمراہیوں کو لے کے اس آواز کی طرف لپکا۔ اور ایک ہی چٹان
سے گزرنے کے بعد عین اُس مقام پر جا پہونچا جہاں آٹھوں یزیدی ملا محمد پر
ظلم کر رہے تھے۔ ان کی صورت دیکھتے ہی یزیدی بھاگ کھڑے ہوئے۔ حیدرانیوں
نے تعاقب کر کے چار کو گرفتار کر کے مار ڈالا اور چار بھاگ گئے۔ اس کے بعد
اُنھوں نے آکے ملا محمد کے ہاتھ پاؤن کھولے۔ اور اُن کا حال پوچھا۔ انھوں نے
یہ کیفیت بیان کی تو سب پر ایک حیرت طاری ہو گئی۔ اور ہر شخص کو یقین آگیا
کہ خدا ہی نے اپنے حبیب رسول خدا صلعم کی طرف سے بے کس و بے بس
ملا صاحب کی مدد کی۔ حیدرانیوں نے ملا صاحب کو اپنے پاس سے ایک
گھوڑا دیا جس پر سوار ہو کے وہ بخیریت بایزید میں پہونچے۔ اور اپنے عزت

سرگذشت ایک ایک سے بیان کرنے لگے۔

باوجود اس نفرت و عداوت کے یزیدی لوگ اپنے تمام کاروبار ہجری سنہ و مہینوں کے حساب سے کرتے ہیں۔ سال نو کی عید اُن کے یہاں ہمیشہ بدھ کے دن ہوا کرتی ہے۔ جو دن کہ اُن کا مذہبی جمعہ خیال کیا جاتا ہے۔ اگرچہ مسلمانوں کے دکھانے کے لیے وہ عموماً خاص جمعہ کے دن بھی جمعہ منا لیا کرتے ہیں۔ اور یہی حال روزوں کا ہے کہ اگرچہ روزہ رکھنا اُن کے اصول کے بالکل خلاف ہے لیکن آخر سال پر تین روزے مسلمانوں کے خوش کرنے کے لیے ضرور رکھ لیا کرتے ہیں۔

اب ہمیں مختصر طور پر یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ شیخ عادی کا مزار کہاں ہے۔ کیسا اور کس شان و شان کا ہے۔ یہ مزار مقام ربانی بوفرد سے تقریباً ۲۰ میل کے فاصلے پر جنوب و مشرق جانب ہے۔ اور اُس کے بیرونی احاطہ کی دیواروں پر مختلف علامات کندہ ہیں۔ مثلاً حضرت سلیمان کی انگوٹھی بنی ہے۔ گلاب کے پھول۔ آنکڑے۔ کلہاڑیاں۔ رست بھلے ترسول۔ شیر۔ سانپ۔ اور طرح طرح کے اور نقش بھی کندہ ہیں۔ خاص مزار کی چھت کے نیچے ہو کے ایک نہر بھی ہے۔ دو حوض ہیں ایک صحن میں اور دوسرا خاص مزار کے اندر۔ ان دونوں میں پانی اُسی نہر سے پہونچتا ہے۔ اندر والے حوض کے چاروں کونوں پر اُن لوگوں کے بیٹھنے کے لیے جو یہاں نہانے کو آتے ہیں جگہیں بنی ہیں۔ مزار میں تین گنبد ہیں۔ جن میں سے ایک تو شیخ عادی کا بتایا جاتا ہے اور دو اور یزیدی ولیوں کے مرقد ہیں۔ تینوں گنبد گول نہیں بلکہ ہندوں کے شوالوں کی طرح لمبے نوکدار اوپر تک چلے گئے ہیں۔ اصلی مزار سے متصل ایک اور گنبد ہے جس میں سے مٹی کھود کھود کے گولیاں بنائی جاتی ہیں۔ انھیں زائر تبرک کی طرح لے جاتے ہیں۔ اور معتقدین اُن سے تعویذوں اور دواؤں کا کام لیتے ہیں۔

شیخ عادی کے مزار کے مجاور اور خادم مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی ہیں۔ مجاور عورتوں کا لباس یہ ہے کہ سفید اونی کرتا پائجامہ اور سر پر سفید عمامہ

زائرین سال مین دو بار زیارت کو آتے ہین - جب کہ مزار کے چارون طرف ایک میلہ لگ جاتا ہے - کنجون اور سایہ دار مقامون مین مجمع ہوتے ہین - اور بڑے جوش و خروش اور خوشی کے چہچہون کے ساتھ مراسم زیارت بجا لاتے ہین - خصوصاً عورتون کا لباس نہایت ہی بھڑکیلا اور دل فریب ہوتا ہے - گلے اور سر پہ سکون کے ہار ہوتے ہین - کلائیون مین نقرئی بھاری چوڑیان ہوتی ہین - اور اس دل فریب وضع کے ساتھ سر پہ گل انار رنگ مین رنگے ہوئے پہ یا گلاب اور گل داؤدی کے پھولون کے گلدستے گیسوون مین لگا کے باہر آتی ہین - مردون کے ساتھ حلقہ باندھ کے خوب صورتی سے تھرکتی اور ناچتی ہین بعض اوقات ان ناچنے والون کا شمار دو سو تک پہنچ جاتا ہے - نوخیز لڑکیان اپنی زیارت کا زمانہ زیادہ تر اپنے حسن کے قدردانون کے ساتھ ناچنے ہی مین صرف کرتی ہین -

اسی مزار پہ منحصر نہین - یزیدیون کے ہر گانو مین زیارت گاہین یعنی مزار ضرور موجود ہین - اور ان کی عمارت عموماً اسی قطع کی ہوتی ہے کہ ایک مربع مکان دروازہ پست اور بلند نوکیلی چھتین

یزیدیون کے علاوہ کردون مین ایک اور متبدع اور غالی الذہن فرقہ ہے جو لوگ کہ "قزل باخ" کہلاتے ہین - یہ لوگ قبیلۂ دو دجیک مین ہین جس کے ماتحت کئی طائفہ ہین - یہ لوگ ایران کے علی الٰہیون کی طرح حضرت علی کو سب سے اول اور سب سے زیادہ محترم مظہر ربانی مانتے ہین - اور آپ کا رتبہ جناب رسالت مآب صلعم سے بھی بڑھا دیتے ہین - ایک تیسرا مذہبی فرقہ اور ہے جو "بلیقی" کے لقب سے مشہور ہے - اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت علی صورت انسانی مین خدا کا سب سے آخری مظہر ہین مسلمانون مین اکثر صوفی مشرب لوگون کا خیال ہے کہ تمام انبیائے عظام جو تخلیق عالم سے اس وقت تک گزرے یعنی حضرت آدم - ابراہیم - موسی - الیاس مسیح اور محمد علیہم السلام سب روح ربانی کے مظہر تھے - اور ان سب مین افضل حضرت رسول آخر الزمان صلوات اللہ و سلامہ علیہ ہین لیکن بلیقی

لوگ حضرت سرورِ کائنات کی طرف سے بالکل بے پرواہین گویا آپ کو جانتے ہی نہین۔ اُن کا مقولہ ہے کہ خدا نے اپنے آپ کو ہزار ہا طریقون سے ظاہر کیا اور بہت سے لوگ شبہ مین پڑے ہوئے ہین۔ اگر وہ خود کو ایک ہی طریقے سے ظاہر کرتا تو سبھون کو یقین آجاتا۔ یہ لیلیقی کُرد دعوے کرتے ہین کہ وہ قدیم شہنشاہ نینوا اسناچرب کے بیٹے شاریزر کی اولاد سے ہین۔ جو اپنے باپ کو دار السلطنت نینوا مین قتل کر کے علاقۂ سامون مین بھاگ گیا تھا۔ جہان یہ لوگ آج تک آباد ہین۔

دُم

بالدار دُمون یعنی مونچھون پر کئی مضمون لکھے گئے ہین جو دلچسپی سے خالی نہین۔ اگر شاعرانہ نگاہ سے دیکھا جاے تو اب زلفِ پریشان اور کاکلِ پیچان پر بھی طبع آزمائی کرنے کا موقع ہے۔ لیکن اس خیال مین پھنسنے سے پہلے ہم کہتے ہین کہ ابھی دُم کی کسر باقی ہے۔ لوگ چاہے مذاق سمجھین مگر سچ یہ ہے کہ بغیر دُم کے کوئی چیز مکمل نہین ہو سکتی۔

الف لیلہ مین جن لوگون نے عبداللہ بری اور عبداللہ بحری کا قصہ پڑھا ہے وہ خوب سمجھ سکتے ہین کہ دُم نہ ہونے کی وجہ سے انسان کو بعض موقعون پر کس قدر جھینپنا پڑتا ہے۔ یہ دلچسپ قصہ شاید آپ نے نہ سُنا ہو تو آگے ہاتھون مختصر اسے بھی سُنتے چلیے۔ عبداللہ نام ایک مچھلی والا تھا۔ دریا کے کنارے جال ڈالتے ڈالتے اتفاقاً اُس سے ایک دریائی آدمی سے راہ و رسم پیدا ہو گیا۔ چونکہ اُس شخص کا نام بھی عبداللہ تھا اس لیے دونون مین یہ امتیاز قرار پایا کہ ایک صاحب عبداللہ بری کہلاتے اور دوسرے صاحب عبداللہ بحری۔ بری حضرت زمین کے میوہ جات لے جا کے اُن کو دیا کرتے اور بحری بزرگ سمندر مین سے موتی اور جواہرات نکال نکال کے لاتے اور اُن کے حوالے کرتے۔ ایک دن بحری حضرت نے بری دوست سے کہا تم بھی کیا یاد کرو گے۔ چلو تمھین سمندر کی مخلوقات دکھا لائین

اس کے بعد پانی کے اندیشے سے بچنے کے تدابیر عمل میں لائے گئے۔ کشتیوں پہ لے گئے۔ وہاں جب ایک خدا داد جزیرے کی سیر کر رہے تھے تو بحری حضرت بندر دوست کو اپنے گھر لے گئے اور بی بی بچوں سے ملایا۔ وہ بڑی گرمجوشی سے ملے۔ یا اتفاقاً نظر آیا کہ بندر عبد اللہ کے دم نہیں۔ یہ ایسی انوکھی بات تھی کہ سب لوگ ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔ بعض نے ہاتھ بڑھا کے اُن کی کمر کے پیچھے ٹٹولا اور سپاٹ دیکھ کے ہنسنا شروع کر دیا۔ عبد اللہ بحری اور اُن کے بچوں کی تو یہ حالت ہوئی کہ ہنستے تھے اور ہنس نہ سکتے تھے۔ جب لوگوں کی ہنسی کسی طرح موقوف ہی نہ ہوئی تو عبد اللہ بندری کو غصہ آگیا۔ اور جھنجھلا کے بولے تم مجھے یہاں مسخرہ بنانے کو لائے ہو۔ میں تمہیں انسان سمجھتا تھا۔ بحری بندر نے اپنے بی بی بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ کے روکا۔ مگر اُن کی بدستور یہی حالت تھی کہ زبردستیاں کر کر کے ضبط کیا اور پھر ایک جوش خندہ ہوا تو بے تحاشا ہنس پڑتے۔ آخر بندری صاحب بہ ہزار خرابی اُن لوگوں سے جان چھڑا کے اپنے گھر آئے اور پھر ایسے واقعات پیش آئے کہ اُسی دن سے دونوں دوستوں میں کھنچ گئی۔

بہرحال اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ محض ایک دُم نہ ہونے سے بیچارے عبد اللہ بحری کس قدر ذلیل و نادم ہوئے۔ لیکن اس پر بھی بعض ناتجربہ کار اور تنگ خیال لوگ سمجھتے ہیں کہ دُم ہونا انسان کو انسانیت سے خارج کر دیتا ہے بلکہ بعض جزائر میں دم دار آدمی ملے بھی تو اُنھیں نیم انسان اور غیر مکمل آدمی تصور کرنے لگے۔ مگر سچ یہ ہے کہ یہ اُن کی ناواقفیت ہے۔ زندہ مخلوق ہونے کے لیے دُم ضروری چیز ہے۔ چھوٹا بڑا کون سا جاندار ہے جس کے دُم نہیں۔ پھر کیا وجہ کہ انسان کے نہ ہو۔ نہیں حضرت ضرور ہونی چاہیے۔ مگر نہیں معلوم اللہ میاں نے انسان کو اس نعمت عظمیٰ سے کیوں محروم کر دیا۔

انسانوں میں دُم کا فطری اور جوش و خروش کا شوق دیکھنا ہو تو چین کی سرزمین میں جائیے اور دیکھیے کہ گو خدا نے نہیں دی مگر وہ خود اپنی کوشش اور تراش و خراش سے کتنی بڑی دُم پیدا کر لیا کرتے ہیں۔ اور اُسے کس قدر عزیز رکھتے ہیں۔ چین والے اپنی چوٹی کو دُم ہی کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور اُس کو اس قدر عزیز رکھتے ہیں کہ دُم ہے تو جان بھی ہے۔ اور دُم نہیں تو

کچھ نہین۔ انگریزی فیشن کی زہریلی ہوا وہان تک بھی پہونچی مشنریون نے وہان
زیادہ قوت پیدا کی نتیجہ یہ ہوا کہ وہان بہتون کی دُمین کٹ گئین لیکن اکثر
مین آج تک بدستور دُم تھا چھوٹون کا طرۂ امتیاز ہے۔ اور جس کی جتنی زیادہ
بڑی ہوتی ہے اُسی قدر وہ زیادہ معزز شریف اور انسان کامل سمجھا جاتا ہے

ہمارے یہان لوگ دُم کی قدر بظاہر تو نہین جانتے لیکن حقیقت یہ
ہے کہ کسی نہ کسی پہلو سے دُم کی ضرور قدر کرتے ہین۔ اگر اُن کی زبانین اور
اُن کے دعوے خلاف ہین تو ہون لیکن طرز عمل دُم کی موافقت ہی کرتا
ہے۔ ہمارے ہی یہان نہین ساری دُنیا مین عورتین بال بڑھاتی اور
اُن کو ایک چوٹی مین گوندھ کر پیچھے ایک دُم سی لٹکا لیتی ہین۔ اکثر
قومون مین اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جس مین یہ دُم جتنی زیادہ بڑی ہے
اسی قدر وہ زیادہ حسین سمجھی جاتی ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہ ہوگا کہ عورت
ہر قوم کی معشوقہ ہے۔ اور ہر ملک والے اپنے مذاق وخیال کے مطابق
اُسے مین زیبائی و رعنائی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہین۔ اگر اُن لوگون
کے مذاق مین دُم کوئی بُری چیز ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ اپنی معشوقہ اور اپنی
رفیق زندگی کو دُم دار بنانا پسند کرتے۔ لیکن نہین حقیقت مین انسان
دُم کا شیدا پیدا کیا گیا ہے۔

یہ وجہ ہے جو کہین چوٹی کہین کاکل پیچان یا زلف پریشان کی
صورت مین نمایان ہوا کرتی ہے۔ اور شعرا اُس کی مدح سرائی مین رطب اللسان
رہا کیے ہین۔ شاعرون مین زلف کی درازی مشہور ہے۔ جیسے وہ کہین
اپنی فراق کی شب دراز سے تشبیہ دیتے ہین۔ اور کہین سلسلۂ امید سے
بڑھا دیتے ہین۔ اگر شاعرانہ [illegible] چھوڑ کے حقیقت طرازی سے کام لیا جاتا
تو یہ حقیقت اشعار زلف و کاکل کی تعریف مین کہے گئے ہین سب دُم کی ثنا و
صفت مین ہین۔

غرضکہ ہم چاہین قبول کرین یا نہ قبول کرین مگر حقیقت مین ہم بھی دُم
کے معترف ہین۔ اور زبان سے نہین تو بالطبع تسلیم کر رہے ہین کہ دُم انسان

کا سب سے بڑا زیور ہے جس کے بغیر زیبائی و رعنائی کی شان پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ کچھ عورتوں ہی پر موقوف نہیں بعض مرد بھی کاکلیں بڑھا کے دُمدار بن جایا کرتے ہیں۔ اگلے دنوں یہ وضع بڑے بڑے سورما بہادروں اور بانکے ترچھے لوگوں کی تھی۔ لیکن اب زمانے کی وضع بدل گئی۔ اور جس طرح مغربی اثر نے جاپان والوں کی دُمیں کٹوا دیں اور چین والوں کو پر قینچ کر رہا ہے اُسی طرح ہندوستانیوں کے سروں سے بھی اگلی کاکلیں اور پٹے اُنے جوڑے غائب کر دیے۔ مگر باوجود اس انقلاب عظیم کے اب بھی بہت سے ایسے وضع کے پابند باقی ہیں جو وہی اگلی سی کاکلیں بڑھاتے اور زمانہ سابق والوں کی طرح جوڑے رکھتے ہیں۔

سب سے زیادہ حیرت کی یہ بات ہے کہ اس نئی تہذیب نے اگر پرانے لوگوں کی چوٹیاں کاٹیں۔ اور بہت سے دُمداروں کو بے دُم بنایا تو ایک نئے پہلو سے اصلی نہیں تو مصنوعی دُموں کو پیدا بھی کر دیا۔ ہمارے مسلمان خصوصاً ترکی ٹوپی کے بڑے دلدادہ ہیں۔ لیکن یہ نہیں خیال کرتے کہ اس کا پھندنا اُس کمی کو پورا کر رہی ہے جس کی تکمیل کی انسان بارہا کوشش کرتا رہا ہے۔ اور اکثر کوشش کیا کرتا ہے۔

اور اب پر کیا موقوف ہے کیا اگلے دنوں دُمیں نہ تھیں۔ اس ٹوپی سے پہلے زیادہ تر رواج پگڑیوں کا تھا۔ مقدس و مہذب لوگوں کے سروں پر اگر عمامے تھے تو بانکے ترچھے جوانوں کے سروں پر منڈاسے اور پٹکے دونوں سے پیچھے ایک شملہ ضرور لٹکتا ہوتا تھا۔ اور اُس کی بھی یہ حالت تھی کہ شملہ بمقدار علم جس کی حقیقی غرض ہوتی تھی کہ جتنا ہی زیادہ معزز و محترم ہو۔ کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ انسان کو دُمیں عزیز نہیں۔ یا بغیر دُم کے اپ کو انسان کامل خیال کر سکے۔

وزارت کے بعد بس اسی کا مرتبہ تھا جیسے ہی مشہور ہوا کہ آغا علی صاحب مرزا بہادر کے خطاب موروثی اور خلعت نظامت سے سرفراز ہوئے ہر جگہ اور ہر صحبت میں یہی تذکرہ چھڑ گیا۔ اور ہر شخص کی زبان سے یہی سنا جاتا تھا کہ اس خدمت کے لیے آغا علی صاحب سے زیادہ موزون کوئی شخص نہیں۔ چارون طرف سے لوگ مبارکباد دینے کو دوڑے رئیس و عمائد شہر اور بیرونجات کے عالی مرتبہ تعلقدار سب کا رخ انہی کی طرف پھر گیا۔ اور جسے دیکھیے آغا علی صاحب کے دروازے پر کھڑا تھا۔ حقیقت مبارکباد دینے والون کے فہرست مین ہمہ با امیدوار اور سفارشی بھی تھے جو اپنی اپنی غرضین لے کے آئے۔ ناظم سلطان پور کی ڈیوڑھی پر حاضر ہوئے خلعت پانے کے بعد جتنے دن تک آغا علی صاحب لکھنؤ مین رہے ہر وقت یہی سمان نظر آتا تھا کہ دروازے پر ہزارہا خلقت کا ٹھٹھ لگا ہوا ہے اور راستہ پالکیون۔ گھوڑون اور پالکیون سے بند ہے ادھر آغا علی صاحب کی یہ حالت تھی کہ گویا بات کرنے کی مہلت نہ تھی مگر ہر شخص سے حسب حیثیت تعظیم و تکریم اور خندہ پیشانی و خلاق سے ملتے۔ اور جہان تک بنتا حاجتمندون اور اہل غرض کی عرض معروض سنتے۔ اور حاجت روائی کرتے۔

آخر جب لکھنؤ مین لوگون نے اس قدر گھیرنا شروع کیا کہ مناسب ہدایات و احکام جاری کر کے فوراً اپنے علاقے کی راہ لی چونکہ بڑے کر و فر سے نکلے اور رعب داب کے آدمی تھے اس لیے عام ناظمون سے بھی زیادہ شان و شوکت اور تزک و احتشام کے ساتھ لکھنؤ سے روانہ ہوئے۔

ہمین اس موقع پر یہ بھی دکھا دینا چاہیے کہ جو غریب ابو محمد تو جو ماں باپ کے غیرت دلانے سے بگڑ کے نہایت شکستہ حالی اور بے سر و سامانی کے ساتھ فقیرون کی طرح کبھی وارد لکھنؤ ہوا تھا تو آج چند سال بعد کس وضع و حالت مین لکھنؤ سے روانہ ہوا ہے۔ سب سے

آگے نشان کا ہاتھی ہے۔ اور اُس کے پیچھے نوبت نقارہ۔ توپ خانے
رسالے اور پلٹنیں ہمراہ رکاب ہیں۔ جن میں بڑے بڑے شہسوار اور شوریدہ
مونچھوں پر تاؤ دیتے چلے جاتے ہیں۔ اور ہر وقت اس شخص کے ایک ادنےٰ
اشارے پر جان دینے کو تیار ہیں۔ ہرکاروں چوبداروں۔ عصابرداروں
اور علم برداروں وغیرہ کا ایک بڑا بھاری غول سواری کو اپنے جھرمٹ
میں لیے ہوئے ہے۔ کوچ کرتے اور منزل پر پہونچتے وقت سلامی کی
توپیں سر ہوتی ہیں۔ راستے میں ڈنکے پر چوٹ پڑتی جاتی ہے۔ اور
نقیب سواری کے آگے آگے بولتا چلا جاتا ہے۔ بیسیوں شرفا و امرا گھوڑوں
میانوں اور ہاتھیوں پر سوار اُس کے گرد و پیش چلے جا رہے ہیں اس لیے کہ
یہ لوگ یا تو امیدواری کے لیے ساتھ ہوئے ہیں یا محض سیر و شکار کے
شوق میں مصاحبوں کی حیثیت سے چلے ہیں۔

یہ جلوس جدھر سے گزرتا ہے لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگتے ہیں
دوستوں کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔ اور مخالفوں کا صورت دیکھتے ہی زہرہ
آب ہو جاتا ہے۔ آمد آمد کی خبر منزلوں آگے پہونچتی ہے۔ اور نزول
اجلال کے وقت قرب و جوار کے رؤسا و شرفا۔ عمائد و اراکین کوسوں
آگے سے آ کر استقبال کرتے ہیں۔ اُس زمانے کی حالت اور خاصتہً
آغائی صاحب کے شوق و مذاق کے لحاظ سے اندازہ کر کے کہا جا سکتا
ہے کہ آپ کے ہمراہ رکاب سب ملا کے چار پانچ ہزار آدمیوں سے
کم آدمیوں کی جماعت نہ ہوگی۔ اور جہاں قیام فرماتے ہوں گے سعدی
شیرازی کا یہ شعر پیش نظر ہو جاتا ہوگا کہ

منعم بکوہ و دشت و بیابان غریب نیست
ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

اس دھوم دھام اور تزک و احتشام سے آغائی صاحب کی سواری کا
نسیم اقبال کے جھونکوں کی طرح سلطان پور کے علاقے میں داخل ہوئی
اور پہلا پڑاؤ جگدیس پور میں ہوا۔ جہاں خیمہ و خرگاہ پہلے ہی سے تیار
تھے۔ اور سارے علاقے کے امرا جاگیرداروں اور کل [illegible]

لوگون کی طرف سے نئے ناظم اور پُرسطوت نائب سلطنت کا استقبال اسی مقام پر ہوا۔ آغائی صاحب اُسکے فرودگش ہوتے ہی سارے علاقے مین ایک غلغلہ پڑگیا۔ اور اُمرا و معززین اور جاگیرداروں اور معافی دارون نے حاضر دربار ہو کے نذرین دین۔

آغائی صاحب کے تقرر نے سرکش زمینداران و تعلقداران سلطان پور کو ایک عجیب مخطرانہ حالت مین ڈال دیا۔ اس سے پیشتر جو ناظم تھے اُن کے مزاج۔ طینت اور حالت سے لوگ واقف تھے۔ اور سمجھ سکتے تھے کہ اُنھین کس طرح راضی کر کے اپنے موافق بنا لیتے تھے۔ لیکن آغائی صاحب ان لوگون کے لیے بالکل نئے شخص تھے نہ اُنھین خبر تھی کہ ان کی طبیعت کس قسم کی ہے۔ اور نہ یہ جانتے تھے کہ انتظام سلطنت مین ان کی پالسی کیا ہے۔ سب کے سب ایک بیم و رجا کی حالت مین تھے کہ آغائی صاحب نے جگدیس پور مین پہونچتے ہی علاقے کا انتظام شروع کر دیا۔

اُن دنون ناظم کا تغیر و تبدل آج کل کی برٹش پارلیمنٹ کا تغیر تھا کہ ایک ناظم کے ساتھ تمام عہدہ دار اور تمام اس کے ماتحت عامل و چکلہ دار بھی بدل جایا کرتے تھے۔ ناظم علاقے مین پہونچتے ہی پہلا کام یہ کرتا تھا کہ جو چکلہ دار اور عہدہ داران تعلقہ پہلے سے مامور ہوتے اُنھین معزول کر دیتا۔ اور اُن کی جگہ اپنے مذاق و اطمینان کے لوگ مقرر کرتا۔ چنانچہ آغائی صاحب نے جگدیس پور پہونچنے کے بعد جو پہلا کام کیا یہی تھا۔ خاص جگدیس پور کی چکلہ داری پر چودھری غلام مرتضی کو جو پرتاب گڈھ مین (جو مقام کہ اب ایک نئے ضلع کا مستقر ہے اور اُن دنون خاص سلطان پور یعنی آغائی صاحب کے حلقۂ اقتدار کے اندر تھا) مرزا قلندر بیگ کہ اپنے پدر بزرگوار مرزا اللہ بخش بیگ کو خاص مستقر تعلقہ تھے سلطان پور مین۔ مرزا ... ... میر مین اور مرزا اعلی علی صاحب کو حکیم راٹھ مین چکلہ داری کی خدمات پر مامور

کیا۔ منشی رام دیال کو اپنا نائب اور سجے سکھ رائے کو دیوان دفتر مقرر کیا۔ اور قاسم علی۔ لال چند اور میندھو لال وغیرہ منشیون مین بھرتی کیے گئے۔ میر منشی کا معزز عہدہ مرزا احمد علی کو عطا ہوا۔ ان تمام لوگون مین سے تین شخص آغائی صاحب کے عزیزون بلکہ بزرگون مین تھے۔ پہلے تو خود اُن کے والد ماجد مرزا سالار بخش صاحب ہین جو تعلقہ کی صدر چکلہ داری پر مامور ہوئے۔ اور بھرائچ کے چکلہ دار مرزا اعلیٰ علی اور میر منشی مرزا احمد علی صاحب آغائی صاحب کے مامون تھے۔

ان سب لوگون کو خدمات مفوضہ کی سندین عطا کر کے حکم دیا کہ فوراً اپنے اپنے مستقر پر جا کے قرار لین۔ اور خود پندرہ دن تک جگدیس پور مین ٹھہرے رہے۔ اس قیام سے آغائی صاحب کی غرض سیر و شکار یا ستانا نہ تھی۔ بلکہ اصل مقصود یہ تھا کہ یہان ٹھہر کے کاغذات دیہی اور چکلہ داری کے دفتر کو معائنہ کرین۔ اور یہ دیکھ کے کہ اس سے پیشتر کام کیونکر چل رہا تھا غور کرین کہ آیندہ کیا انتظامات کیے جائین اور کون سے تدابیر عمل مین لائے جائین کہ رقوم سرکاری سہولت سے وصول ہو جائین۔ چنانچہ اس پندرہ دن کی مختلف مدت مین اُنھون نے صرف یہی نہین کیا کہ دفتر کی تنقیح و تنقید کی بلکہ چکلہ داری کا نیا انتظام کیا۔ ماتحت مقامات کے لیے قابل و ہوشیار افسر عمال منتخب کر کے مامور کیے۔ اور ایسی تدبیرین کر دین کہ مالگزاری آسانی سے وصول ہونے لگی۔

اس موقع پر مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً یہ بھی بیان کر دیا جائے کہ ان دنون مالگزاری کے وصول ہونے مین کیون دشواریان پیش آتی تھین اور خاصۂ سلطان پور کا علاقہ کیون سخت اور سرکش خیال کیا جاتا تھا۔ اگرچہ بہت آسانی سے کہہ دیا جا سکتا ہے کہ ایک طرف نظام سلطنت درست نہ تھا اور سرکاری عہدہ دار اپنے کار مفوضہ کے سرانجام دینے کی قابلیت نہ رکھتے تھے اور دوسری طرف رعایا مین اپنی حفاظت کرنے اور اپنے آپ کو سلطنت

کی سخت گیریوں سے بچا لینے کی آسان تدبیریں معلوم تھیں لیکن اس اجمال کی تفصیل بھی ہے جو حسب ذیل ہے۔

(۱) انگریزی سلطنت کا اثر بڑھنے اور رزیڈنٹوں کے اکثر مہمات سلطنت و نیز اندرونی انتظامات میں بہ حیثیت مشیر دخل دہی کرنے کی بدولت رعایا کے دلوں پر بادشاہ اودھ اور اُس کے نائبوں اور عہدہ داروں کا اثر کم ہو گیا تھا۔ اور لوگ سمجھتے تھے کہ ہم جس امر میں چاہیں سلطنت سے مخاصمت کر کے کامیاب ہو سکتے ہیں۔

(۲) اکثر ناظم جو سلطنت کی طرف سے مقرر کر کے بھیجے گئے وہ بھی اچھے مدبر و منتظم نہ تھے۔ بعض انتہا درجے کے نرم جو سلطنت کے رعب داب کی بے وقعتی کر دیتے اور بعض انتہا درجے کے سخت جو رعایا کے دل میں محبت کا بیج بونے کے عوض سلطنت اور اپنے حکمرانوں کا بغض پیدا کر دیا کرتے تھے۔

(۳) لیکن سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس ملک میں قدیم الایام سے فیوڈل سسٹم یعنی سلطنت کے ماتحت بڑے بڑے خود مختار امیروں کے موجود رہنے کا رواج چلا آتا تھا۔ سلطنت مغلیہ کے زمانے میں بھی یہی حالت تھی کہ بڑے بڑے راجہ زبردست فوجیں رکھتے اور اپنے علاقوں پر اس طرح قابض و متصرف رہتے کہ گویا اُن کے حقوق اقتدارات کے اندر کسی کو دخل دہی کرنے کا موقع حاصل نہ تھا ہاں کسی مہم کے پیش آنے کے وقت وہ ماتحت رؤسا اپنی فوجیں لے کے علم شاہی کے نیچے حاضر ہوتے۔ اور وفاداری و جاں بازی کا جوہر دکھاتے۔ پرانے زمانے میں سلطنت کی ذاتی قوت کے باعث اس انتظام کی خرابیاں ظاہر نہیں ہونے پاتی تھیں۔ مگر اب اودھ میں برٹش اثر بڑھنے اور وطنی سلطنت کے کمزور ہونے کے باعث ان ماتحت سرداروں اور راجاؤں میں سرکشی کا مادہ بڑھ گیا۔ بادشاہ کی حکومت اور شاہی سطوت کا جلوہ جو کچھ نظر آتا صرف شہر کے ناکوں کے اندر محدود تھا شہر سے باہر تقریباً سارے علاقے پر اُن راجاؤں اور تعلقداروں کی حکومت تھی جو مدت ہائے دراز سے ملک پر حاکم و متصرف تھے۔ اور جن کے اختیارات

مین اسلامی سلطنت نے دخل دہی کرنا کبھی نہین پسند کیا تھا۔ اُن کی قدیم حیثیت مین
بجاے خود چاہے کسی قدر تنزل و انحطاط ہوگیا ہو مگر اُن کی قوت ملک کے رگ و
پے مین سرایت کیے ہوئے تھی۔ اور اُنھین بالکل کمزور کرکے مطیع و منقاد بنا
لینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ پھر اس کے ساتھ اگر اس کا بھی لحاظ کیا جائے کہ
اُن دنون قانون اسلحہ نہین جاری تھا۔ ادنے ادنے شخص کے پاس زبردست
اسلحہ موجود تھے۔ اور سلطنت کی فوج کے پاس جو ہتھیار تھے وہ رعایا کے اسلحہ
سے کچھ زیادہ اچھے اور قوی نہ تھے تو آسانی سے سمجھ مین آسکتا ہے کہ ان
سرکش زمیندارون کے دبانے اور مغلوب کرنے مین عہدہ داران سلطنت کو
کیسی دشواریان پیش آتی ہونگی۔ سچ یہ ہے کہ اُن دنون اور اُس حالت مین
سرکش اُمراے ملک کو ہمیشہ مطیع فرمان رکھنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ مذکورہ
انتظام کی بدولت ملک کی یہ عام حالت ہو رہی تھی کہ ادنے ادنے زمیندارون
سے بھی کوئی ایسا شخص نہ تھا جو دو ایک قلعہ گڑھیان۔ کچھ توپین اور تھوڑی بہت
فوج اپنے قبضے مین نہ رکھتا ہو۔ اسی نظامت سلطانپور کے ماتحت اکبرپور سے ملے
الدمئو نام ایک چکلہ تھا جس کے علاقے مین سب ملا کے ۳۹ چھوٹی بڑی گڑھیان
۱۹ توپین اور ۱۰۲۵۰ مسلح سپاہی موجود تھے جن کو سلطنت سے کوئی واسطہ
نہین بلکہ تعلقدارون اور زمیندارون کے ذاتی ملازم تھے۔ علےٰ ہذا القیاس
پرگنہ امیٹھی مین جو جگدیس پور کی چکلہ داری مین تھا۔ تعلقدارون کی ۶ گڑھیان
۱۱ توپین اور ۳۳۰۰ فوج تھی۔ ممکن ہے کہ جن دنون سلطنت کی سطوت اچھی
طرح قائم تھی اور بادشاہ کے رعب داب کا پورا اثر پڑ رہا تھا یہ قلعہ یہ توپین اور
یہ مسلح فوجین سلطنت کے لیے ایک نعمت اور رحمت ہون مگر اب اس
آخری دور مین تو علے العموم مایۂ زحمت بن گئی تھین۔

اکثر اوقات یہ بھی ہوا کہ کسی تعلقدار کی سرکشی کے پاداش مین عساکر
شاہی نے ان گڑھیون مین سے کسی کو قبضہ کرکے مسمار کردیا لیکن منتظمین سلطنت
چونکہ کمزور اور بے پروا تھے لہذا فوج شاہی کے واپس آتے ہی تعلقدار
اپنی گڑھی کو از سر نو تعمیر کرتا۔ پہلے سے زیادہ مضبوط بنا لیتا اور دربار لکھنؤ

کی طرف سے کسی قسم کی باز پرس نہ کی جاتی۔

(۴) بہت سے تعلقدار ایسے بھی تھے جن کے علاقے کا کچھ حصہ تقسیم کے وقت برٹش گورنمنٹ کے قبضے مین چلا گیا تھا۔ وہ مدبر و منتظم عہدہ داران سرکار انگریزی کے مقابل حکام اودھ کو کچھ دھیان مین نہ لاتے تھے۔ شاہی ناظمون اور چکلہ دارون کو کبھی اپنی فوج اور قوت سے اور کبھی اپنی سازش اور دوا دوش سے ایسی زک دیتے کہ وہ ناکام بھی رہتے اور بدنام بھی ہوتے۔ آخر نہایت بُری طرح اُن کی معزولی دبر طرفی عمل مین آتی اور زمینداروں کا زیادہ رعب عہدہ دارون پر پڑ جاتا۔ برٹش تعلقات ایک ایسا اچھا مامن تعلقدارون کے لیے پیدا کر دیا کرتے کہ جن تعلقدارون کا علاقہ انگریزی علاقے مین نہین گیا تھا اُن مین سے بھی اکثر کوشش کر کے کچھ علاقہ انگریزی قلمرو مین پیدا کر لیتے۔ شاہی فوج کے ورود کے وقت اُس علاقے مین جا کے اطمینان سے بیٹھ رہتے۔ اور چاہے کیسی ہی سرکشی کر چکے ہون برٹش عہدہ دارون کو دا د لفیکا دے کے اور اُن کو درمیان مین ڈال کے دربار شاہی مین اپنی معافی کرا لیتے۔

غرض اس قسم کے اسباب اور ایسی دشواریان تھین جن کے باعث اودھ کی چکلہ داری و نظامت کاجل کی کوٹھری بنی ہوئی تھی۔ جو آتا ناکام رہتا اور بدنام ہوتا۔ اور رعایا و سلطنت دونون کی نظر مین حقیر و خوار ہوتا۔ یہ رنگ دیکھ کے بعض چکلہ دارون نے تو یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ رعایا و تعلقدارون کی خوشامد درآمد کر کے اپنا مطلب نکالتے۔ بعض فوج کشی کر کے ملک کو پامال و تباہ اور مدت تک کے لیے بیکار کر دیتے۔

اس پر طرہ یہ تھا کہ ان طریقون سے جو کچھ رقم چکلہ دارون اور ناظمون کے ہاتھ آتی وہ بھی سلطنت کے خزانے مین بہت کم داخل ہوتی۔ دربار کی حالت معاشرت و تمدن اور نشست برخاست کے لحاظ سے چاہے کیسی ہی شائستہ ہو مگر سچ یہ ہے کہ دیانت دار عہدہ دارون کا اُن دنون قحط تھا۔ چکلہ دارون سے واپسی کے وقت علی العموم یہی جواب ملتا

کچھ وصول نہین ہوا - اور وہ مار پیٹ کے جو کچھ رقم لاتے بے تکلف ہضم کر جاتے
اُن پر سختیان کی جاتین - تشدد ہوتا - ذلیل ذلیل قسم کی سزائین دی جاتین مگر وہ
نہ قبولتے کہ ٹکا بھی اُن کے پاس ہے - آخر کبھی ریشہ دوانیون سے کبھی معذرت
اور رحم کی التجاؤن پر چھوڑ دیے جاتے - بلکہ بعض اوقات وزیر سلطنت کو
آیندہ کا ایسا سبز باغ دکھاتے کہ پھر اُسی چکلہ داری یا نظامت کی خدمت
پر مامور کیے جاتے - اور وہی شخص جس پر طرح طرح کے تشدد ہوتے نظر آتے
چند روز بعد دوبارہ نوبت نقارہ بجاتا علاقے پر پہونچتا - اور اپنی رسوائیون کا
بدلہ کمزور رعایا سے لے لیتا -

بعض چالاک اور ہوشیار تعلقداران ملک نے یہ وضع اختیار کر لی تھی کہ
شاہی خاندان مین سے کسی معزز رکن سے ملتے - اُسے نظامت کی شان و شوکت
اور اُس کے منافع دکھاتے وہ بہ آسانی سلطنت سے پروانۂ نظامت
حاصل کر کے علاقے مین جاتا اور وہ اُس کے مشیر و رفیق بن کے ہمراہ رکاب
روانہ ہوتے - نواب صاحب کو وہ سیر و شکار اور ناچ رنگ مین ڈال دیتے
اور خود سرکاری رقمین اُن کے نام سے وصول کر کے اوپر ہی اوپر اُڑا دیتے
جب رقم کے [illegible] کرنے کا وقت آتا تو عذرات بارد پیش کر کے علیحدہ ہو جاتے
اور بار بھولے بھالے نواب صاحب کے سر پڑ جاتا - جن پر زیادہ سختی بھی نہ
کی جا سکتی -

آغائی صاحب سے پہلے سلطانپور کے ناظم واجد علی خان تھے - اور
وہ صرف اس الزام پر موقوف کیے گئے تھے کہ اُن کے زمانے مین سرکاری
رقم کثرت سے بقایا مین پڑ گئی تھی - خصوصاً چکلۂ پرتاب گڑھ کے تعلقدارون
نے اُن کو اس قدر تنگ اور پریشان کر دیا تھا کہ اپنے فرائض منصبی ادا کرنے
مین بالکل عاجز رہ گئے تھے - اب آغائی صاحب پہونچے تو سارے ملک
مین طرح طرح کی چہ میگوئیان ہونے لگین - بعض تعلقدارون کو اپنی قوت کے
بھروسے پر خیال ہوا کہ اگلے نظماء کا سا معاملہ ان کے ساتھ بھی برتا جائے گا
بعض متردد تھے کہ دیکھیے یہ کیا کرتے ہین - ادھر آغائی صاحب کی یہ حالت تھی

دماغی دربار

دربار میں سناٹا تھا۔ لوگ وہ بیخود تھے۔ اور وہ پری جمال نازک بدنین انہیں سے تھرتھر کانپتی اور ایک دوسرے کی طرف حسرت سے دیکھ رہی تھیں کہ اتنے میں چوبدار نے حاضر ہو کے عرض کیا۔ حضور پانچون دیو حاضر ہیں۔ بادشاہ نے کل دربار کی طرف دیکھ کے متانت سے کہا۔ سب لوگ سنبھل جائیں اور سخت سے سخت تکلیف برداشت کرنے کے لیے تیار رہیں۔ کسی راحت و لذت کی زیادتی سے بیخود ہو جانا اور بات ہے اور کسی سخت صدمے کو برداشت کرنا اور بات۔ لیکن میں ایک تدبیر بتاتا ہوں۔ جب دیکھو کہ تم کسی دیو کے صدمے روبرو ہو کے تکلیف و اثر سے مغلوب ہوئے جاتے ہو تو فوراً اپنی پریوں کی طرف دیکھ لینا۔ جس طرح ان کی مسرتوں کا لطف ان دیووں کا سامنا ہونے سے فنا میں مل جاتا ہے اسی طرح ان دیووں کی خباثت کی بدمزگی ان کا جمال دیکھنے اور ان کے محاسن سے لطف اٹھانے سے دور ہو جاتی ہے۔ یہ کہہ کے بادشاہ نے حکم دیا کہ پانچون دیو ایک ایک کر کے حاضر کیے جائیں۔

حکم کی دیر تھی۔ یکایک نظرون مین ایک تکلیف سی محسوس ہوئی۔ اور ساتھ ہی ایک ایسا ہیبت ناک دیو نمودار ہوا کہ کسی کو اس کے چہرے پر نظر ڈالنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اس کی کالی رنگت آنکھوں کو دھندلا کیے دیتی تھی

اُس کے چہرے کی بدصورتی دیکھنے سے اون کے حواس مین فتور ڈالے دیتی تھی۔
اہل دربار اُس کی مُہیب قطع دیکھ کے ایسے سہمے کہ اکثر بدحواس ہو گئے چیخ اُٹھے
بعض کو غش آگیا۔ جن کے حواس تھوڑے بہت درست تھے وہ بھی پریشان
ہو رہے تھے اور یہ حالت تھی کہ آپ کو سنبھالتے تو سنبھلا نہ جاتا۔ بھاگنے کا
قصد کرتے تو اپنی جگہ سے قدم نہ اُٹھتا۔ یہ حالت دیکھ کے بادشاہ نے دیو سے
پوچھا تیرا کیا نام ہے۔ اُس نے ایک نہایت ہی دل آزار وضع سے جواب دیا
سب "بدرُو" کہتے ہین۔ بادشاہ نے فوراً تامل کر کے ماہ رو کو جو ایک سہمی ہوئی
کھڑی تھی سامنے بُلایا۔ اور کہا "تم ذرا اپنا رُخ زیبا بھی دکھا دو" حکم پاتے ہی ماہ رو
دیو کے سامنے آئی۔ اور اُس کا چہرہ دیو کے چہرے سے دوچار ہوا تو
معلوم ہوا کہ گویا نیکی اور بدی کا مقابلہ ہو رہا ہے۔ ماہ رو کا حُسن بدرُو کی بدصورتی
مٹاتا ہے تو بدرُو کی بدصورتی ماہ رو کے حسن کو خاک مین ملاتی ہے۔ دونون
قوتین برابر کی وسعت تک جا کے درمیان مین ٹکراتین اور ایک دوسرے
کے اثر سے کمزور ہو کے رہ جاتین۔ بادشاہ نے اس حالت کا اچھی طرح اندازہ
کر کے دیو سے کہا اب تم دربار کے ایک کونے مین جا کے ٹھہرو لیکن اپنے چہرے
پر نقاب ڈال لو۔ دیو سر اطاعت جھکا کے اور اپنا چہرہ چھپا کے الگ جا کھڑا
ہوا۔ اور دوسرے دیو کو باریابی کی اجازت ہوئی۔

ساتھ ہی ایک ایسی کرخت ہوش رُبا اور سامعہ سوز آواز سُنی گئی جس نے
"انّ انکر الاصوات لصوت الحمیر" کو بھی بُھلا دیا۔ اور اُس کے اثر سے اس طرح
ہوش پران ہوئے جاتے تھے کہ لوگون کو صور قیامت کا اندیشہ ہوا۔ اور گھبرا
گھبرا کے اضطراب و بے خودی سے اپنے کان بند کرنے لگے۔ یہ حالت
طاری تھی کہ ایک عجیب الخلقت دیو چلاتا اور شور کرتا ہوا سامنے آیا۔ اُس کی
آواز بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک کو مات کیے دیتی تھی۔ بادشاہ کو سلام کر کے
اُس نے اپنی اُسی سامعہ کوب آواز مین کچھ ایسے بے سُرے پن سے اور
لے سے باہر گانا شروع کیا کہ آواز کی سختی کانون کے پردے پھاڑے ڈالتی
تھی۔ بے سُرا پن دماغ اُلٹے دیتا تھا۔ اور لے کا بے تکا پن ہر موقع و وقت کو

خاک مین ملائے دیتا تھا۔ گانا غذائے روح ہوا کرتا ہے مگر یہ گانا زندگی کے
لیے سم قاتل تھا۔ دم بھر مین ہر شخص اُسکی چیخون سے پناہ مانگنے لگا - اور آدمیون کا
دماغ ایسا اُلٹ گیا کہ حیوانات سے گزر کے عالم نزع کی سی کیفیت طاری ہو گئی -
جب یہ حالت ہوئی تو بادشاہ نے خوش گلو پری کو بلا کے کہا "یہ تو بلا ہی رہا
ہے تو بھی اس کے مقابلے مین اپنا کمال دکھا - اور اپنے نغمہ دلکش سے اُن
مُردون کو مسیحائی کر دے - بس اس ظالم کی آواز نے دم کر دیا ہے - جھک کے
ساتھ ہی خوش گلو نے ایک زندگی بخش تان لگائی - اور ایسی دلنشین دلکش
الاپ شروع کی کہ جو لوگ اس دیو کے شور کی اذیت سے بے جان ہو رہے
تھے اُن مین تازہ جان آ گئی - اور مست ہو ہو کے جھومنے لگے - گویا خوش گلو نے
اُنھین ایک ایسی تُند شراب پلا دی جس کے نشے مین اُنھین اسی قسم کی
[illegible] خوشگوار اثر [illegible] دیو اور پری کی دونون متضاد آوازون کا ایک ساتھ
ہونا عجیب کیفیت پیدا کیے دیتا تھا - دونون آوازین لڑتی ہوئی بلند
ہوتین اور یہ نظر آتا کہ گویا دونون ایک دوسرے کو مٹائے دیتی ہین - بادشاہ
نے اس دیو کا نام پوچھا تو اُس نے بتایا مجھے "بانگا" کہتے ہین - ان دونون
متضاد آوازون کا موازنہ کر کے بادشاہ نے اس دیو کو بھی خاموش ہو کے
الگ ٹھہرنے کا حکم دیا - اور تیسرا دیو بلایا گیا -

فوراً لوگون کو ایک تلخ کامی کا سا اثر محسوس ہوا اور ناگہان ایک ایسی
ناگوار تلخی کا دیو سامنے آ کے کھڑا ہو گیا جس کی صورت ہر شخص مین تلخی کی
کیفیت پیدا کرتی تھی - آنکھین اُس کی صورت دیکھنے سے کڑوی ہوئی جاتی
تھین - ناک کان مین بھی ایک تلخی کی اذیت پیدا ہوتی تھی - اور اُس کے
ہاتھ مین بعض ایسے پھل تھے جن کا چکھنا درکنار دیکھنے سے بھی مُنھ
کڑوے ہو گئے - اس تلخی کا اثر آخر یہان تک بڑھا کہ لوگون کو ہر چیز بدمزہ
نظر آنے لگی - بعض کو اُبکائیان آنے لگین - بعض تو فرط تلخی سے ہونٹ اور
زبان کاٹنے لگے - اور قریب تھا کہ لوگون کی حالت غیر ہو جائے کہ بادشاہ
نے شیرین کو بلا کے سامنے کھڑا کیا - گو اُس کی شیرینی نے یکایک لوگون کے

مذاق مین لذت پیدا کردی - مگر پھر بھی اُس کی شیرینی کو دیو کی کڑواہٹ اکثر
بے مزہ کردیتی - لیکن غنیمت یہ تھا کہ دیو کی کڑواہٹ مین شیرینی کی حلاوت نے
مل کے تھوڑی بہت گوارائی ضرور پیدا کردی - بادشاہ نے ان دونون
متضاد کیفیتون پر بھی خوب غور کرلیا تو دیو سے اُس کا نام پوچھا - اُس نے کہا
مجھے "تلخ رو" کہتے ہین - تب دیو و پری دونون الگ ہٹا دیے گئے - اور چوتھے
دیو کی طلبی ہوئی -

حکم کی دیر تھی کہ یکایک بدبو کا ایک ایسا بھبکا آیا کہ تمام اہل دربار کے
دماغ اُلٹ گئے - اکثر کی زبان سے نکل گیا "خدائی پناہ" یہ بے تابانہ کلمات
سُننے ہی جا رہے تھے کہ ایک نہایت ہی بدقطع دیو نے سامنے آکے بادشاہ
کو سلام کیا - اور کہا "مجھے گندہ دہن کہتے ہین - اس کے آتے ہی ایسی تعفن
پھیلی کہ معلوم ہوا سارا دربار سڑ گیا - سب نے گھبرا گھبرا کے رومال ناک پر
رکھ لیے - لیکن اس سے بھی تسکین نہ ہوئی تو اپنی اپنی ناکین زور سے بند
کرلین - تاہم جو بدبو دماغ مین بس گئی تھی نکلتی نہ تھی - اور قطع نظر اس کے
اس دیو کی صورت ہی مین کوئی ایسی بات تھی کہ دماغون مین خواہ مخواہ بدبو کا
اثر پیدا ہوا جاتا تھا - آخر یہ حالت ہوئی کہ لوگ غش کھا کھا کے گرنے لگے
اور دربار مین ادھر اُدھر لوگ بیہوش پڑے نظر آتے تھے - قریب تھا کہ خود بادشاہ
کو اندیشہ ہو کہ کوئی مر نہ جائے - اُسی وقت عنبرین مو پری کو سامنے بلایا اور
کہا جن لوگون کو تعفن کی تکلیف سے غش آگیا ہے اُنھین تم اپنی زلف کی خوشبو
سُنگھا کے ہوش مین لاؤ - عنبرین مو کے آتے ہی خوشبو کی ایک ایسی
لپٹ آئی کہ معلوم ہوا گویا وہ تعفن گھڑی بھر کے لیے فنا ہو گئی - لیکن بعد
معلوم ہوا کہ نہین عنبرین مو کے فوری جوش سے گندہ دہن کا اثر مغلوب
ہو گیا جو بعد کو پھر اُبھر آیا - اور اب خوشبو مین بدبو ملی ہوئی دماغون مین
اور ایک ایسی مرکب بو پھیلی ہوئی تھی جو کبھی تو ناگوار معلوم ہوتی اور کبھی خوشگوار
عنبرین مو نے بادشاہ کے حکم کے مطابق مدہوشان دربار کے قریب
جا جا کے اُنھین اپنی زلف کا لخلخہ سُنگھایا - اور سب کی جان مین جان

گئی۔ اور جو بے خودی کی غفلت سے چونکا وہ اُس خوشبو سے ایسا مست
تھا کہ اب یہ خوشگواری دین و دُنیا بھلائے دیتی تھی۔ بادشاہ نے ان دونوں
کیفیتوں کا بھی بخوبی اندازہ کر لیا تو ان دونوں حریفوں کو بھی ہٹایا۔ اور پانچویں دیو
کو مقابلہ کی اجازت ہوئی۔

اب کی مرتبہ دربار میں سے ہر شخص کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا سارے
بدن میں کانٹے چُبھ رہے ہیں یا کوئی چٹکیاں لے رہا ہے۔ جو حواس ہوش
[illegible] معلوم ہوا کہ ایک انوکھی قطع کا دیو سامنے آگیا۔ اس کی جلد نہایت
کھردری اور سخت تھی جس پر گینڈے کی کھال ہنسی اور نہایت ہی کھردری
بدنما دکھائی دیتا تھا۔ بعض مقامات پر اس میں خارش کے سے چپٹے بھی پڑے ہوئے
تھے۔ اور سر سے پاؤں تک موٹے موٹے رونگٹے کانٹوں کی طرح کھڑے تھے
جن کی وجہ سے اُس کے جسم میں ساہی کی سی شان پیدا ہو گئی تھی۔ اور اُس کے جسم
پر نظر پڑتے ہی دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اُس کے
سامنے ہر شخص کو نہایت ہی اذیت رساں کھجلی محسوس ہونے لگی۔ اُس کے
کانٹے معلوم ہوتا تھا کہ جسم میں پیوست ہوئے جاتے ہیں۔ جن کی وجہ سے
ہر شخص کو اپنے تن بدن میں سوئیاں سی چبھتی اور چٹکیاں سی اُڑتی معلوم ہوتیں
اس کیفیت کو اس قدر ترقی ہوئی کہ اپنی فکر اور اپنی تکلیف میں لوگ
اس کی طرف دیکھنا بھی بھول گئے۔ سارے دربار میں جو تھا سسکیاں لے
لے کے اپنے بدن کو کھجاتا اور چونک کے سہلاتا تھا۔ لوگوں کو
اس قدر بے تاب و بدحال دیکھ کے بادشاہ نے اس دیو کا نام پوچھا۔ جس
کہا "مجھے بد اندام" کہتے ہیں۔ اب اُس کے مقابلے کے لیے "گلبدن" پری
بلوائی گئی جس کی نرم اور گدگدی صورت دیکھتے ہی لوگوں کو اُس خارش اور
چٹکیوں کی تکلیف میں افاقہ معلوم ہونے لگا۔ اور اُس کی نرمی و ملاحت
نے کچھ ایسی لذت دی کہ سب لوگوں کو ایک بڑے عذاب الیم سے
نجات مل گئی۔

بادشاہ نے ان دونوں متضاد حالتوں کا بھی اندازہ کر کے پانچوں

دیوؤن اور پانچون پریون کو اپنے سامنے داہنی بائین جانب کھڑا کیا۔ تریاق [illegible]
کی موجودگی سے اہل دربار اور حاضرین کو کوئی غیر قابل برداشت اذیت نہ پہونچنے
پائے۔ اور سم کے قریب ہی تریاق بھی موجود ہے۔ اب اُس نے دیوؤن کی طرف
توجہ کی۔ اور جس طرح پہلے پریون سے اُن کے اوصاف پوچھے تھے دیسے ہی
اب دیوؤن سے کہا کہ میرے فیصلے سے پہلے تم خود اپنی کیفیت بیان کرو۔ اور دیو
قدم بڑھا بڑھا کے اپنے حالات بیان کرنے لگے۔

بدرو ”مین اپنی صورت سے لوگون کی نظر مین دُنیا اندھیر کر دیتا ہون۔
آنکھین بند کرتے ہین مگر یہی صورت اُن کی نظر کے سامنے سے نہین ہٹتی“

بدگلو ”میری آواز زندگی بے مزہ کر دیتی ہے۔ اور میری چیخین سن کے لوگون
کے ہوش رفو چکر ہو جاتے ہین“

تلخ رو ”مین انسان کی زندگی تلخ کر دیتا ہون۔ اور اُس پر ایک ایسا تلخ [illegible] کا
عذاب نازل کر دیتا ہون کہ اُسے جان شیرین بھی کڑوی معلوم ہونے لگتی ہے“

گندہ دہن ”مین دماغ اُلٹ دیتا ہون۔ اور ہر لطف میرے اثر سے بیکار و
بے مزہ ہو جاتا ہے“

بداندام ”مین اپنے اثر سے انسان کو کسی حالت مین چین نہین لینے دیتا
اور اُسے ایک ایسی بے چینی سے سابقہ پڑتا ہے کہ کسی صورت سے قرار
آتا ہی نہین“

بادشاہ ”تو تم پانچون انسان کے لیے عذاب الٰہی ہو۔ بھلا تمھاری ذات سے
کسی کو کچھ فائدہ بھی پہونچ سکتا ہے؟“ دیوؤن نے ادب سے عرض کیا ”حضور
ہم اگر عذاب ہین تو رحمت بھی ہین“

یہ سُن کے بادشاہ تو اُسی طرح متانت سے اُن دیوؤن کی صورتین دیکھ
رہا تھا مگر تمام حاضرین حیرت زدہ تھے کہ ان کم بختون سے بھلا کسی کو کیا نفع
پہونچ سکتا ہے؟ اتنے مین بدرو نے بڑھ کے عرض کیا ”مین نہ ہون تو کوئی
بہادر سے بہادر شخص بھی دشمن پر اپنا رعب نہ ڈال سکے۔ میری ہی بدولت
لیکے وہ اپنی وضع قطع مین ایسا رعب پیدا کرتا ہے کہ دیکھتے ہی غنیم [illegible]

نہ ہاری۔ اور کسی طرح اطاعت نہ قبول کرتے تھے۔ آخر روسیون نے تمام قسم
کے مظالم کیے۔ اور ۱۸۶۴ء مین لاکھون گرجستانیون کو خانمان برباد کر کے
اپنی قلمرو سے نکال دیا۔ دولت عثمانیہ ایسے بے خانمان لوگون کو تمام اس
کے کسی ملک اور کسی ملت کے ہون ہمیشہ محبت و شفقت کے ساتھ اپنے
آغوش مین جگہ دیتی رہی ہے۔ چنانچہ اس ملک کے تین لاکھ اور بعض کے نزدیک
چھ لاکھ جلاوطنون کو بھی اُس نے اپنی قلمرو مین آباد کر لیا۔ جو آج دولت عثمانیہ کے
صوبون مین کثرت سے پھیلے ہوئے ہین۔ بے ضابطہ فوج کی حیثیت سے
اکثر بڑی بڑی مہمون مین ترکون کے کام آئے ہین۔ اور نازک موقعون پر
سلطنت کے سینہ سپر ہوئے ہین۔

لیکن ان لوگون کے آ کے بسنے سے پیشتر بھی اس قوم کو ترکون کے
ساتھ خاص قسم کا اُنس تھا۔ خدا جانے کتنی صدیان گزر گئین کہ بردہ فروش
تاجرون نے اس قوم کی حور وش پری جمالون اور ان کوہ قاف کی پریون کو
اُمرائے ترک اور خاصتہً سلاطین آل عثمان کی حرم سرائن مین بھرنا شروع
کیا۔ ابتدائً یہ تجارت یقیناً ظالمانہ حیثیت سے شروع ہوئی ہوگی مگر ترکون
نے ان لونڈیون کے ساتھ جس قسم کا برتاؤ کیا وہ ایسا اچھا تھا کہ اسیر
لونڈیان اس اسیری و جلاوطنی کو اپنی خوش اقبالی تصور کرنے لگین۔ اور جب
سرکیشیا والون کو نظر آیا کہ ہماری ہی لڑکیان ان سلاطین کی مائین اور بیبیان
ہوتی ہین۔ وہ کوہستانی ذلیل زندگی سے نکل کے شہنشاہ بیگم اور والدہ
سلطانہ بن جاتی ہین۔ اور جو جاتی ہے ناز و نعمت مین پلتی اور عیش و عشرت
کی زندگی بسر کرتی ہے تو وہ بجائے اس کے کہ ترکون کے ظلم کی شکایت

؎ انیسوین صدی عیسوی کے آخر مین غیر ممالک کے جو لوگ جلاوطن ہو کے ترکون کے
دامن عافیت مین چھپے بے شمار ہین۔ جن مین زیادہ ممتاز یہ لوگ ہین۔ ایرانی شاہزادہ
قلی مرزا خان۔ شامی سردار امیر بشیر۔ اور اُس کے رفقا۔ الجیریا کا فرمان روا احمد التقا
صدہا پولینڈ۔ اور ہنگاریہ کے مظلوم جن کا شمار نہین ہو سکتا۔ یہ سلسلہ ابھی تک
جاری ہے۔ اور ہر ہفتہ کسی نہ کسی نئی جلاوطن جماعت کے آنے کی خبر آیا کرتی ہے۔

کرین۔ انھین اپنا مربی سمجھنے لگے۔ اس خیال نے آخرکار خود گرجستان مین
یہ حالت کردی کہ ہر لڑکی اِس بات کی آرزومند بن گئی کہ کوئی اُسے زبردستی
یا بہ رضا قسطنطنیہ مین لے جائے۔ ماں باپ خود ہی رضامندی سے بچی
دینے دل کرنے لگے - اور مائین جب اپنی ننھی بچیوں کو کھلاتین تو یہ دعائین
دیتی جاتین کہ تو فلان بادشاہ کی حرم بنے - اور تو سلطان کی حرم سرا مین
پہنچے اُن کے جان و مال کی مالک ہو۔

غرض اسی چیز نے صدیوں سے یہ حالت کردی ہے کہ گرجستانی لونڈیان
ان حرم سراؤن مین آگئی اور چند روز مین ترکی مذاق و عادات کے سانچے مین
ڈھل جاتی ہین - لیکن یہ عورتین جن کے آنے کا سلسلہ مدت سے دراز
جاری ہے اُن کا تذکرہ خاص ترکی خاتونون کے بیان مین زیادہ موزون
ہوگا۔ اس وقت ہم صرف اُن گرجستانیوں کا حال بیان کرتے ہین جو نظام سلطنت
روس سے جلاوطن ہو کر آنے کے بعد سنہ ۱۸۶۶ء مین ملک کے ترکون کی قلمرو مین
آ رہے - اور یہان آکے ایسی خاطر و مدارات دیکھی اور ایسا آرام پایا کہ
اُس وقت سے برابر خود ہی گھر بار چھوڑ چھوڑ کے آتے اور سلطان اعظم کے
خوان نعمت سے شرفیاب ہوتے ہین - یہ لوگ جب پہلے پہل آئے ہین تو
چونکہ کسی کو ان کے آنے کی اطلاع نہ تھی اور نہ ان کے ٹھہرنے کا دولت
عثمانیہ کی طرف سے کوئی خاص انتظام کیا گیا تھا - اس لیے بیچارون کو
بڑی سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ادھر اُدھر مارے مارے پھرے
اور آخر مملکت ترک کے مختلف اضلاع مین پھیل کے منتشر ہو گئے
اور ان کا ایک بڑا گروہ جا کے بلغاریہ مین آباد ہو گیا - جو اُن دنون ایک
ترکی صوبہ تھا۔

دولت عثمانیہ کی طرف سے اُن کی بود و باش کا جو انتظام کیا گیا وہ
ان لوگون کے مذاق کے موافق نہ تھا - کیونکہ یہ لوگ اس بات کے عادی
تھے کہ خاص اُن کے امیر و سردار کے ذریعہ سے اُن پر حکومت کی جائے
اور یہان عام رعایا کی طرح اُن مین کا ہر شخص براہ راست قوانین سلطنت

کی پیروی کا ذمہ دار کیا گیا۔ اور اُن کے لیے خاص قسم کے قوانین جاری کر دیے گئے تاکہ امن وامان کی زندگی بسر کرین۔ اس کے ساتھ ہی سلطنت عثمانیہ نے یہ کیا کہ ہزارہا چرکسانی غلام جو ترکون کے قبضے مین تھے آزاد کر دیے گئے۔ جو اپنے تازہ وارد ہم وطنون مین مل جل گئے۔ اور انھین بھی اپنے تمدن کا عمارت بنانا شروع کیا۔

منجملہ دیگر قوانین کے ایک یہ قانون بھی جاری کیا گیا کہ چرکسانی لوگ چونکہ اب مسلمان رعایاے دولت عثمانیہ مین لہذا آئندہ سے ان کی بیٹیون کی بیع وشری ناجائز ہے۔ وہ لونڈی بنانے کے لیے ہرگز نہ خریدی جائین۔ اس قانون کے جاری ہونے کے بعد چرکسانیون کی بعض لڑکیان بکین بھی تو محض اس لیے کہ قانون سے ایک ناجائز فائدہ اُٹھا لیا جاے۔ یعنی اکثر ایسی وارداتین پیش آئین کہ کسی بھائی نے اپنی بہن کو لا کے کسی مسلمان ترک کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ قیمت کی رقم ادا ہوتے ہی باپ نے عدالت مین دعوی دائر کر دیا کہ میری بیٹی بیچ ڈالی گئی۔ عدالت نے اس بیع کو کالعدم کر دیا۔ لڑکی اگر مالکون سے راضی ہوتی تو بھی کشان کشان اپنے گھر لا لی گئی۔ اور خریدار کو نقصان اُٹھانا پڑا کیونکہ اُس کے بھائیون کے پاس کیا رکھا تھا جو اُن سے روپیہ وصول کیا جاتا۔

لیکن یہ جبریہ آزادی عورتون اور خاصۃً لڑکیون کی آرزوون کے بالکل خلاف تھی۔ بیع وشری کے جواز کی حالت مین اُنھین اُمید تھی کہ لونڈی بن کے جائین گی تو ممکن ہے کہ اگر حرم سراے سلطانی نہین تو کسی اور ترکی پاشا کے محل مین داخل ہو کے صاحب دولت ومنزلت بن جائین گی۔ جو اُمیدین کہ اب بالکل خاک مین مل گئین۔ بہر تقدیر چرکستان والون کو مملکت عثمانیہ مین آکے آباد ہونے سے اپنے خیال مین کوئی بڑا فائدہ نہین ہوا۔ مردون کو اپنے شیخ کی ماتحتی سے خلاف قانون شکنجے مین جکڑنا پڑا۔ اور عورتون کو خاص لڑکیون کو گھر مین آکے اُن اگلی ترقی وسرسبزی کی اُمیدون سے دست بردار ہوجانا پڑا۔

اور مانا ہے۔

گرجستانیون کی اصل شوق کی چیز اُن کا لباس اور زیور ہے۔ اور مردون مین اسلحہ کا بھی بڑا شوق ہے۔ اسی شوق مین وہ اپنی جمع جتھا صرف کیا کرتے ہین۔ عورتون کا لباس ایک گون ہے جو عموماً سُرخ ہوا کرتی ہے۔ اور اگر استطاعت ہو تو سونے کے تارون سے بیل بوٹے بھی کڑھوا لیے جاتے ہین۔ اس گون کے علاوہ وہ عموماً ایک ڈھیلا ڈھالا آستینون دار کرتا پہنتی ہین جس کے اوپر ایک چمڑے کا شلوکہ بھی پہن لیا جاتا ہے۔ مگر جب خود اپنے خاندان والون مین ہوتی ہین تو برقع و نقاب کی ضرورت نہین سمجھتین۔ اور اپنی معاشرت مین خاتونان ترک سے بہت سے آداب و اطوار کا لحاظ نہین کرتین۔

تمام سچے اہل مشرق کی طرح گرجستانی لوگ بھی انتہا درجے کے مہمان نواز ہین۔ کوئی راہ چلتا شخص اُن کا مہمان ہو تو چاہے ملاقاتی ہو یا اجنبی وہ بے تکلف گھر کا بہترین کھانا اُس کے سامنے لا کے پیش کر دیتے ہین اور دولت عثمانیہ کے یورپین علاقے مین پہونچنے کے چندہی روز بعد اُن کی یہ وضع تھی کہ اُن کے پڑاؤ مین جا کے ملیے تو مہمان کے سامنے بے انتہا عذرات پیش کیے جاتے کہ کیا کہین معمولی قسم کا سامان راحت اور کھانا بھی یہان میسر نہین ہے۔

تعلیمی حیثیت سے دیکھیے تو تاتاریون جیسی لوگون اور دولت عثمانیہ کی دیگر خانہ بدوش قومون کی طرح گرجستانی بھی جاہل اور اُجڈ ہین تاہم اُنکی زندگی اپنی وطنی سرزمین مین گھر گرہستی کے کامون کے علاوہ بیشتر اُن گلون اور دودھ دہی اور پنیر وغیرہ کی تیاری مین صرف ہوتی ہے۔ اسلحہ سازی اور گلون کی خبر گیری اُن لوگون مین خاص مردون کے مشاغل ہین۔ لہذا گرجستان کی آزاد لڑکی جب تک کسی شوہر کی جان و مال کی مالک نہ بنے گھر مین پڑے پڑے اپنی اُن ہم وطن و ہم قوم لڑکیون کی قسمت کو حسد کی نگاہ سے دیکھتی ہے جنھین کبھی کبھی اپنے علاقے

مین جہان بازار سے گذرتے دیکھتی ہے کہ کسی معزز ترک کی گاڑی مین سوار ہین۔ اور لونڈیان غلامون اور خدمتگارون پر حکومت کر رہی ہین۔

جب کسی گرجستانی شخص کی اتنی حیثیت ہوتی ہے کہ وہ ایک بی بی رکھ سکے تو وہ اپنے مذاق کی کوئی دوشیزہ ڈھونڈھ نکالتا ہے۔ پھر اُسکے باپ یا کسی قریب تر عزیز مرد سے عقد کی سلسلہ جنبانی کرتا ہے۔ اور اُس کی قیمت پوچھتا ہے۔ اس لیے کہ ان مین عقد نکاح بیع ہی کے طریقے سے ہوتا ہے۔ اس رقم کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ یہ قیمت نہین مہر ہے۔ مگر دشواری یہ ہے کہ اس روپیہ کو لڑکی نہین پاتی بلکہ اُسکے ماں باپ وصول کر کے اپنے تصرف مین لاتے ہین۔ خیر تو جب ایک شخص ہو گیا اور ادا بھی کر دی گئی تو رسم کے طریقے سے ضرور ہے کہ مرد موقع پا کے اپنی دلھن کو بھگا لے جائے۔ اس لیے کہ ان لوگون مین دلھن کے لے جانے کا یہی مہذب اور شریفانہ طریقہ ہے۔ عورتین بجائے نادم ہونے کے اس رسم پر فخر و ناز کرتی اور اسے اپنا سرمایۂ عزت باور کرتی ہین۔ سبب یہ ہے کہ لڑکی نے آج تک اپنے باپ بھائی کے گھر مین زندگی بسر کی تھی اب شادی ہونے کے بعد بمقابل اُس حالت کے اس کی حیثیت زیادہ معزز ہو جاتی ہے۔ اسی لیے معمول ہو گیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی لڑکی سے شادی کی خواہش کرتا اور اُس کی قیمت ادا کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو لڑکی نہایت خوش ہو کے اپنے اوپر ناز کرنے لگتی ہے۔

گرجستان والے سترہوین صدی عیسوی تک مشرک و بُت پرست تھے کوئی دو سو برس کا زمانہ ہوا کہ ایک پرجوش مسلمان درویش نے جن کا نام گرانا شعیب تھا تبلیغ دین محمدی کر کے اُنھین مسلمان کر لیا۔ اور چونکہ اُن مین اسلام انھین بزرگ کے فیض و برکت سے پہونچا لہذا اُن مین ویسی ہی ہندو ستانی کی سی مشہور ہو گئی ہے کہ درویشون کے صاحب تصرف ہونے سے تعلق ہے۔ علی الخصوص ملک مین ایک کسان کے پہونچنے کی داستان جسے ہم نے ابھی جلی کے

بیان کرین گے اُن کہانیون کا ایک مکمل نمونہ ہے اُن کے رسم و رواج سے
بعض پُرانی اور قدیم مذہب کی باتون کا بھی پتہ چلتا ہے جو اگلی بت پرستی کی
یادگار ہین - اور اُمید ہے کہ چند روز مین بالکل مٹ جائین گی -

ان مین سے جو لوگ ممالک عثمانیہ مین آکے بس گئے ہین اُن مین باوجود
ممانعت اور نگرانی کے بیٹیون کے بیچ ڈالنے کا رواج موجود ہے - اور بردہ فروش
جو اس کے موقع ڈھونڈھتے رہا کرتے ہین - اُن کے ہاتھ کہتے ہین کہ ہر سال
صدہا لڑکیان بک جایا کرتی ہین -

علی وحشی کی داستان جسے بعض یورپین سیاحون نے ان لوگون کی جانب
منسوب کیا ہے وہ شاید کسی جاہل چرکس کی قابل مضحکہ روایت ہوگی ورنہ ایسی
باتین کسی مسلمان کی زبان سے نہین نکل سکتین - اصل یہ ہے کہ ایسی باتین
مشنریون سے عام سیاحون تک پہونچتی ہین - اور وہ انھین صحیح سمجھ کے
لکھ جاتے ہین - ایک پادری صاحب تحریر فرماتے ہین کہ ایک انگریز سیاح
سے جہاز پر ایک وہابی سے ملاقات ہوئی جس نے بیان کیا کہ ہمارے اعتقاد
مین سب سے بڑا گناہ شرک ہے - اور اس کے بعد تنباکو پینا - سیاح صاحب
نے پوچھا "آخر قتل - زنا - اور جھوٹی گواہی دینا بھی تو گناہ ہین" اس نے کہا
"اجی ان سب کو خدا معاف کرنے والا ہے" اسی طرح چرکسیان کے مسلمانون
کی جانب علی وحشی کی کہانی منسوب کی گئی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ کسی غریب
شخص کو دن بھر کی محنت مزدوری کا معاوضہ ایک پیسہ سے بھی کم ملا کرتا تھا
ایک دن حضرت موسی نے اس پر ترس کھا کے کہا خدا سے دعا کر - اس نے کہا خدا
تو بڑون بڑون کی سنتا ہے میری کیون سننے لگا - حضرت موسی نے یہ واقعہ بارگاہ
ربانی مین حاضر ہو کے عرض کیا اور سفارش کی - خدا نے کہا اس کی تقدیر مین
اس سے زیادہ نہین - اور نوشتہ تقدیر بدل نہین سکتا - حضرت موسی نے
اُس سے آکے خدا کا یہ جواب بیان کیا تو اس نے بے بسی کے ساتھ کہا مین خدا
کے ملک ہی مین نہ رہون گا - اور حاملہ جورو کو لے کے چل کھڑا ہوا - جہان جاتا
اور دریافت کرتا یہی معلوم ہوتا کہ یہ زمین خدا کی ہے - آخر ایک جگہ لوگون نے

سنا کہ یہاں کے دشت و در اور کوہ و بیابان علی وحشی کے ہیں۔ یہ سنتے ہی اُس نے ایک شہر میں رہنے کا ارادہ کر دیا۔ اب رہنے کے لیے جگہ کی تلاش تھی کہ دیکھا کوئی شخص ایک مکان بیچ رہا ہے۔ بڑھ کے کہا میں لوں گا۔ مگر ایک رات دیکھ دیکھ لوں گا تب لوں گا۔ اُس نے کہا "اچھا" اور یہ میاں بی بی اُس مکان میں شب باش ہوئے۔ اتفاقاً اسی رات بی بی لڑکا جنی۔ اور اُس کے لیے جھولا ڈالنے کی غرض سے دیوار میں کھونٹی گاڑنے کا ارادہ کیا تو ایک پتھر گرا اور اشرفیوں سے بھرا ہوا ایک مٹکا نکل آیا۔ اب کیا تھا صبح کو قیمت دے کے مکان لے لیا۔ اور مالدار بن گیا۔ اتفاقاً حضرت موسیٰ کا پھر گزر ہوا۔ اُنھوں نے جا کے اس کی حالت بیان کی۔ خدا نے کہا "موسیٰ اُس کی تقدیر میں وہی ہے جو پہلا تھا۔ یہ سب اُس کے لڑکے کی تقدیر ہے۔ حضرت موسیٰ نے گو اس راز سے مطلع کر دیا مگر وہ اسی طرح خدا سے ناراض رہا۔ اور آپ کو علی وحشی کا بندہ کہتا رہا۔

نقشۂ ضروریات شاعری

چاہے اگلے دور کے سے باکمال شاعر نہ پیدا ہوں مگر اس میں شک نہیں کہ اردو شاعری دہلی و لکھنؤ کی آبادی سے نکل کے سارے ہندوستان اور دور دراز کے علاقوں میں پھیلتی جاتی ہے۔ اب ہندوستان کا شاذ و نادر ہی کوئی ضلع ہوگا جو شعر و سخن کے دلدادہ اور غزل گو شاعر نہ پیدا کر رہا ہو۔ خصوصاً ان دنوں پنجاب اور ہندوستان اور یا حیدرآباد نے تو زبان پر اپنے حقوق قائم کر لیے ہیں۔

لیکن افسوس ہے تو اس بات کا کہ ان میں سے اکثر حضرات شاعری کی لیاقت و قابلیت حاصل کرنے سے پہلے شاعر بن جاتے ہیں۔ اور اُن بحروں اور وزنوں کو بھی جن میں ناشائستہ طور پر زور طبع دکھاتے ہیں۔ مگر نہ عروض خود دور ہی خیر ہے۔ اور موزوں طبیعت آدمی بظاہر عروض کا کم محتاج ہے

لیکن بہت سی بحرین ایسی ہین جن مین اچھے اچھون کے قدم کو لغزش ہو جاتی ہے۔ اس خرابی کا زیادہ سبب یہ ہے کہ فن عروض پر کوئی اچھی اور مستند کتاب ہی نہین موجود ہے۔ اُردو مین صرف ایک کتاب قدر بلگرامی مرحوم نے لکھی جس کا نام قواعد العروض ہے۔ یہ نہایت مکمل اور مختصر کتاب ہے۔ اور زیادہ تر بغیر کسی اُستاد سے پڑھے اُس کو پوری طرح نہین سمجھ سکتا۔

لیکن اس عہد کے زندہ معجزات مین سے ایک مذکورہ عنوان نقشہ ضروریات شاعری ہے جس کے ذریعہ سے ہمارے وطنی صاحب کمال جناب حکیم سید محمد مہدی صاحب کمال فرزند حضرت جلال لکھنوی نے اس پورے وسیع و بسیط فن کو صرف ۱۸ × ۲۲ پیمانے کے ایک تختے مین سمیٹ کے دریا کو کوزے مین بند کر دیا ہے۔ اور ایسی آسان و نفیس عبارت مین اس طرح سُلجھا کے پورے فن عروض کو بتا دیا ہے کہ ہر شخص ایک دن مین اس تختہ کا مطالعہ کر کے کُل بحرون۔ اُن کے اوزان۔ زحافون۔ اور کل امور کو بآسانی سمجھ لے سکتا ہے۔ اور اب اس نقشہ کے شائع ہو جانے کے بعد پھر نہین کہا جا سکتا کہ فن عروض شعراے اُردو کے لیے دشوار ہے۔ ضرور اسے منگوا کے ملاحظہ فرمائین۔ اور حکیم صاحب موصوف نے اسے مطبع مفید عام آگرہ مین چھپوایا بھی ایسا اچھا ہے کہ خط کی وضاحت مضامین و عبارت کی فصاحت و سہولت کی اور زیادہ مساعدت کر رہی ہے۔

سچ یہ ہے کہ حکیم سید محمد مہدی صاحب کمال اس تختہ کے شائع کرنے کے اعتبار سے بہت بڑی مبارکباد کے مستحق ہین۔ اور اُن کی جسقدر داد دی جاے کم ہے۔ جن حضرات کو ان تختون سے فائدہ اُٹھانا اور اپنی شاعری کو بے عیب و بے نقص بنانا ہوگا صاحب موصوف سے ریاست ترو اضلع فرخ آباد کے پتہ پر خط بھیج کے طلب فرمائین قیمت کچھ نہین صرف ۲۰ ہے۔

آباو اجداد تو اسی علاقے کے رہنے والے تھے۔ اور زمینداری کے آغوش مین انکی
پرورش ہوئی تھی۔ زمینداری کے پیچون اور تعلقدارون کے ہتھکنڈون سے بخوبی
واقف تھے۔ اس کے علاوہ لکھنؤ پہونچنے کے بعد اکثر علاقہجات اودھ کا انتظام
اُن کے سپرد رہا تھا جن مین چند ہی روز مین ساری دشواریان دور کرکے انھون
نے اعلے درجے کا انتظام قائم کر دیا تھا۔ سلطنت کی حالت سے بھی واقف
تھے۔ پانچ سرپرآرایان اودھ کا زمانہ دیکھ چکے تھے۔ اور گویا اسی تحصیل وصول
کے کام مین بال سفید کیے تھے۔ بہرحال چاہے سلطنت نے اُن کا انتخاب
کیا ہو مگر سچ یہ ہے کہ اس خدمت کے لیے لکھنؤ بھر مین اُن سے زیادہ
مل کوئی شخص نہ مِل سکتا تھا۔ چنانچہ انھون نے علاقے پر پہونچتے ہی ماتحت
چکلہ داریون کا قابل اطمینان انتظام کرکے خاموشی کے ساتھ تعلقدارون کا
رنگ دیکھنا شروع کیا۔ اور ہنوز زمینداران علاقہ اُن کی روش اور طینت کو
اچھی طرح نہین پہچاننے پائے تھے کہ وہ ایک ایک کے حالات سے پوری
طرح آگاہ ہو گئے۔

ساتوان باب

سلطان پور کا انتظام

چکلہ لیس پور مین آغائی صاحب کچھ ایسی آن بان اور ایسی شان وشوکت
سے رہے کہ کسی نے دم بھی نہ مارا اور سب کام آسانی وسہولت سے پورے
ہوتے چلے گئے۔ جن لوگون کے دلون مین سرتابی اور ہنگامہ آرائی کا ارادہ
تھا وہ بھی ترسان ولرزان آئے اور اظہار اطاعت کیا۔ آغائی صاحب بھی
اُن سے بڑے لطف کے ساتھ پیش آئے اور اپنے اخلاق۔ رحم دلی اور
معدلت پروری سے اُن پر ایسا اچھا اثر ڈالا کہ اُنھین کسی بات مین عذر
نہ رہا۔ اور تمام پٹون اور قبولیتون کی تکمیل ایسی سہولت سے ہو گئی جو اُن
دنون بالکل غیر معمولی بات تھی۔ آغائی صاحب نے یہی نہین کیا کہ رعایا اور

گورنمنٹ کے معاہدات معاونہ کر لیے بلکہ باقیداروں سے سنین ماضیہ کی
لقایا کا بھی اقرار کرا لیا۔ اور گزشتہ رقوم کی بابت بھی اُن سے تمسکوں پر
دستخط کرا لیے۔ غرض دو ہفتے میں ان تمام امور کی تکمیل کر کے آگے کی راہ
لی۔ اور خاص سلطان پور میں پہونچے جو نظامت کا مستقر اور ناظم کا صدر
مقام تھا۔ یہاں کے لوگ بنگہ لیس پور والوں سے بھی زیادہ نرمی و عاجزی
سے پیش آئے۔ اور سوا ایسا یان کے تعلقداروں کے جس نے سرکشی کا ارادہ کیا
اور کسی شخص سے سوا ناظم صاحب کی رضاجوئی و اطاعت کیشی کے اور
کوئی امر نہیں ظاہر ہوا۔ چند ہی روز میں یہاں بھی جملہ امور کی تکمیل ہو گئی
اور سرکاری مالگزاری وصول ہونے کا کما حقہ انتظام ہو گیا۔ اور سچ یہ ہے
کہ یہ محض آغائی صاحب کی حکمت عملی اور اُن کے سطوت و جبروت کا نتیجہ
تھا۔ ورنہ اس آسانی سے انتظام ہو جانا اُن دنوں قابل حیرت امر
خیال کیا جاتا تھا۔

اب آغائی صاحب کی سواری پرتابگڑھ کی طرف روانہ ہوئی
اور یہی مقام سارے علاقے میں زیادہ سخت تھا۔ کیونکہ یہاں کے زمیندار
اور تعلقدار مدت ہائے دراز سے سرکشی کرتے چلے آئے تھے۔ خود
آغائی صاحب بھی جانتے تھے کہ پرتاب گڑھ میں سہولت سے کام بننا
غیر ممکن ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ اسی تعلقہ کا اچھا انتظام کر دینے اور یہاں
کے پرانے سرکشوں کے زیر کرنے پر اُن کی کامیابی و ناکامی کا دارومدار
تھا۔ یہاں چونکہ بڑے بڑے دم داعیہ والے ناظم گرد و پیش کے زمینداروں
کے ہاتھ سے عاجز آ کے ناکام و نامراد واپس جا چکے تھے اس لیے ہر شخص
منتظر ہو گیا کہ دیکھیے آغائی صاحب آ کے کیا کرتے ہیں۔ اور اُن لوگوں کو جو مدت ہا
دراز سے سرکش چلے آتے ہیں کس طرح رام کرتے ہیں یا سیدھے ٹھکانے
لگاتے ہیں۔ ناظم صاحب کے ورود کی خبر پہونچتے ہی ایک عجیب کیفیت
ہو گئی تھی۔ جو لوگ آغائی صاحب کے رعب و داب سے واقف تھے
وہ آنے والی گھڑیوں کو خوف سے دیکھ رہے تھے۔ اور خود تعلقدار

بات کو تاکو کے عالمیت پڑے ہوئے تھے کہ دیکھیے اب کیا ہوتا ہے۔ آخر ملازمین
بہ غیر معمولی شان و شکوہ سے پہونچے۔ افسران ماتحت۔ عملۂ نظامت۔ ملازمین
خاص۔ پلٹنین۔ رسالے۔ اور توپ خانے۔ غرض کئی ہزار آدمیون کی جمعیت
ہمراہ رکاب تھی۔ ہمراہیون مین سے بہت لوگ پہلے سے آ گئے تھے بہت
سے ہمراہ رکاب آئے۔ کچھ بعد آ کے لشکر مین شامل ہو گئے۔ غرض آبادی
سے باہر باغون اور میدانون مین پڑاؤ ڈالا۔ اور ایک جماعت کثیر کے
خیمہ و خرگاہ اور اُس کی چہل پہل دیکھ کے یہ معلوم ہوتا تھا کہ پاپ گڑھ
کے پاس ایک نیا شہر آباد ہو گیا ہے۔

اس حکمہ کی حالت یہ تھی کہ سرکار کا بہت سا روپیہ کئی سال سے
باقی مین پڑتا چلا آتا تھا۔ اور ان لوگون کے کان پر جون تک رینگتی تھی۔ گرد
کے تعلقدار و زمیندار ایسے متمرد و سرکش تھے کہ کسی کو خطرے مین نہ لاتے
بعض لوگ ناظمون سے ملنے کو بھی نہ آتے۔ اور شاہی عہدہ دارون کے
آگے سلام کو جھکنا بھی اپنی توہین خیال کرتے۔ دعوے تھے کہ ہمارا سر
کسی کے آگے نہین جھکا۔ اور اس بات پر فخر و ناز تھا کہ "اتنا سن آیا
مگر آج تک کسی ناظم کو ہم نے سلام نہین کیا۔ اور بات یہ تھی کہ اپنی فوج
اپنے قلعون اور اپنی توپون پر گھمنڈ تھا۔ اور پھر اُسکے ساتھ تمام زمینداروں
مین باہم اتفاق و اتحاد تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ بجاے اس کے کہ سرکاری ناظم ان
سے رقوم شاہی وصول کر سکے اُلٹے اُسے اُن سے دبنا اور اُن کے آگے
جھکنا پڑتا۔

آغائی صاحب ان سب باتون کو سُن چکے تھے اور سمجھ چکے تھے کہ یہ لوگ
سیدھی طرح نہ مانین گے۔ اور جس پالسی سے دیگر مقامات مین کام نکلا
یہان کا دھنہ نکلے گا۔ یہ سوچ کے اُنھون نے یہان پہونچتے ہی اپنی وضع
بدل دی۔ اور بجاے اس کے کہ نرمی و رحمدلی سے کام لین زمینداروں کے
لیے اپنی عادت کے خلاف درشتی اور بے التفاتی اختیار کر لی۔ دور
اندیشی اور عاقبت بین زمیندار جن کو لٹکر کی حالت دیکھتے ہی یقین

ہوگیا تھا کہ آغائی صاحب پر کچھ زور نہ چلے گا ظاہری سلامت روی کے ساتھ سلام اور مجرے کو حاضر ہوئے۔ مگر ناظم صاحب نے ذرا بھی توجہ نہ کی۔ اور کئی روز تک انھیں محض اُمیدواران باریابی کی حالت مین پڑا رہنے دیا۔ یہ رنگ دیکھ کے اُن کے حوصلے اور پست ہوگئے۔ اور مختلف گروہون مین کھچڑیان پکنے لگین کہ کیا کیا جائے۔ اس حالت کو دو ہی چار روز گذرے تھے کہ دو ایک سرکش تعلقدارون کی طرف سے بھی اطاعت و فرمابری کے پیام آئے۔ آغائی صاحب نے اب بھی کسی کو حاضری کی اجازت نہین دی۔ مگر بعض مخصوص افسران ماتحت کی زبان سے کہلوا دیا کہ "آغائی صاحب کے آگے سرکشی نہ چلے گی۔ اگر اس چکلے کے تعلقدار اور زمیندار اپنی خیریت چاہتے ہین تو اطاعت و سلامت روی سے حاضر ہون۔ اور اپنے معاملا کا تصفیہ کرین۔" یہ خبر مشہور ہوئی تو اور رہبون کے بھی وضو شکست ہوگئے اور سب نے حاضر ہو ہو کے آغائی صاحب کے کیمپ کے گرد ڈیرا ڈال دیا۔ یہ سب لوگ بے صبری سے التجا کر رہے تھے۔ اور وسائل پیدا کرنے کے لیے ایک ایک کے پاس دوڑ رہے تھے لیکن شنوائی نہ ہوتی تھی۔ آغائی صاحب نے نہ کسی کو باریابی کا موقع دیا اور نہ کسی کو سلام کرنے کی عزت حاصل ہوئی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ابھی تک چکلہ پرتاب گڈھ کے بعض تعلقدار نہین حاضر ہوئے تھے۔ اور جو حاضر ہوئے تھے اُن مین سے اکثر چار چار سو پانچ پانچ سو سپاہی اپنے ہمراہ لائے تھے۔

اسی اثنا مین ایک دن صبح کو آغائی صاحب اپنے خیمے سے نکل کے باہر ٹہل رہے تھے کہ بعض تعلقدار بھی باریابی کی اُمید مین آکے کچھ فاصلے پر کھڑے ہوگئے۔ اور اجازت کے منتظر تھے۔ افسران ماتحت جو آغائی صاحب کے پاس حاضر تھے اُن مین سے کسی نے عرض کیا کہ "بعض تعلقداران علاقہ باریابی کے اُمیدوار ہین۔" اتنا سنتے ہی آغائی صاحب کے چہرے پر برہمی کے آثار نمایان ہوئے۔ اور بگڑ کے نہایت ہی غیظ و غضب سے جوابدیا "اس چکلے کے تعلقدار اگلے ناظمون کو بہت تنگ کر چکے ہین۔ اور سنا ہے

مجھے بھی ویسا ہی خیال کیا ہے۔ سرکاری روپیہ ہضم کیے بیٹھے ہین اور پھر اُس پر تمرد و سرکشی آئے بھی ہین تو اس وقعت سے کہ گویا مجھے اپنی شان و تمکنت دکھانے آئے ہین جب سرشتہ ملاقات اور سلام کے لیے آنا تھا تو ان چار چار سو پانچ پانچ سو سپاہیون کی کیا ضرورت تھی جن کو ہمراہ لائے ہین سُنو مین جب تک یہ نہ سُن لون گا کہ جیکلہ کے تمام سرکش تعلقدار حاضر ہو گئے اُس وقت تک نہ کسی کا سلام لون گا اور نہ کسی سے کچھ بات کرون گا۔ ان لوگون کو سمجھا دو کہ اپنا مآل اور انجام سوچ کے راہ راست پر آجائین ورنہ جو ضروری انتظام تجویز کیا گیا ہے شروع کر دیا جائے گا۔ خوب یاد رکھو کہ آغائی تمرد و سرکشی کو ایک گھڑی بھر کے لیے بھی جائز نہ رکھے گا۔ اور جس نے سرتابی کی اسے جہنم مین پہونچا دے گا"

یہ سرزنش پورا کام کر گئی۔ دوسرے ہی دن معلوم ہوا کہ ثریا قیمانندہ تعلقدار بھی حاضر ہین۔ اور کوئی نہین جو امانۃً یا نہ کالۃً عرض معروض کے لیے موجود نہ ہو۔ تب دربار نظامت منعقد ہوا اور باریابی کی اجازت دی گئی۔ سب لوگ بہ ادب حاضر دربار ہوئے۔ آداب بجا لا کے اپنے اپنے مرتبے سے بیٹھ گئے تو پھر آغائی صاحب نے بے پروائی اور بے توجہی ظاہر کرنے کے لیے اپنے ماموں مرزا واحد علی کو جو میر منشی کی خدمت پر مامور تھے ضروری کاغذات پیش کرنے کا حکم دیا۔ اب کل حاضرین دم بخود اور ساکت و صامت بیٹھے تھے۔ اور وہ کاغذات پیش ہو رہے تھے جن کو اُن کے معاملات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ دستخط کرتے کرتے آغائی صاحب نے ایک کاغذ مین کچھ عیب نکالا۔ بگڑے اور سخت برہمی کے ساتھ اُس فرد کو چاک کر کے پھینک دیا۔ یہ حالت دیکھتے ہی تمام حاضرین کی رنگت زرد پڑ گئی اور سب نے دل مین کہا "جب ناظم صاحب کو سرکاری معاملات مین اپنے قریب تر عزیزون کی بھی رعایت و مروت نہین تو اور کسی کی کیا اصل و حقیقت ہے۔ اس کارروائی نے کل زمینداروں کے دلون پر عجیب قسم کا رعب بٹھا دیا اور سب پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اپنی اپنی جگہ پر

سہم کے رہ گئے۔

اس طرح اپنا رعب قائم کر کے آغائی صاحب دیوان کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا "یہ سب لوگ اتنی دیر سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے معاملات کیوں نہیں پیش ہوتے۔ میں ان سب کے معاملات کو آج ہی پورا کردوں گا اور جب تک اس کام کو ختم نہ کر لوں گا نہ یہاں سے اٹھوں گا اور نہ کھانا کھاؤں گا" دیوان جی کو کیا عذر تھا۔ فوراً بستہ لے کے آموجود ہوئے۔ اور تعلقداران حکلۂ پرتاب گڑھ کے کاغذات اُن کے مواجہہ میں پیش ہونے لگے۔ کچھ رعب۔ کچھ دباؤ۔ کچھ یہ کہ کسی کو سوچنے سمجھنے۔ اور ایک دوسرے سے سازش و مشورہ کرنے کا ذرا بھی موقع نہ ملا تھا سب نے اپنے ذمے کی باقیات کو طوعاً و کرہاً قبول کیا۔ اور ساتھ ہی زر بقایا دحال کی قبولیتیں تیار کر کے اُن کے سامنے پیش کردی گئیں۔ اور اُن سے سوا اس کے کہ بے عذر دستخط کردیں کوئی بات نہ بن پڑی۔

اس مروت اور دباؤ کی کارروائی سے بھی شائد مطلب برآری نہ ہوتی کیونکہ ان لوگوں کے قول و فعل کا کچھ اعتبار نہ تھا۔ یہ کوئی نئی اور غیر معمولی بات نہ تھی کہ سرکش اور بد دل تعلقدار یہاں سے گھر جا کے اور اپنے دوستوں سے مشورہ کر کے رقم کے داخل کرنے سے انکار کر دیتے۔ اور کہتے دستخط تو لوگ بیٹھے جایا کریں۔ آغائی صاحب اس نشیب و فراز کو بخوبی سمجھتے تھے خیال کیا کہ اب موقع ملا ہے تو پوری کارروائی کی آج ہی تکمیل کرا لینی چاہیے۔ فوراً ماتحت افسروں کو حکم دیا کہ فلاں فلاں تعلقداروں کو لے جاکے ہمارے خیموں میں مہمان رکھو۔ اور جب تک سرکاری رقم ادا نہ ہوجائے جانے نہ پائیں۔ اور اُن لوگوں کی طرف خطاب کر کے کہا "آپ چونکہ بے عذر ہمارے پاس چلے آئے اس لیے آپ کے ساتھ کسی قسم کی سختی کا برتاؤ نہیں کیا گیا۔ مگر یہ سرکاری رقم کا معاملہ ہے میں بغیر روپیہ وصول ہوئے آپ کو جانے نہ دوں گا۔ دو چار روز میرے یہاں مہمان ہی سہی۔ اور آپ کے جان و مال اور عزت و آبرو کا میں ذمہ دار ہوں۔ اب

آپ قبولیتون پر دستخط کر چکے تو پھر اب روپیہ دینے مین کیا عذر ہے۔ کوئی تردد کی بات نہین۔ اپنے اہلکارون کو بھیج کے روپیہ کا بندوبست کرا لیجیے ادھر روپیہ داخل ہوا اور آپ مختار ہین پھر جہان جی چاہے تشریف لے جایئے گا۔" یہ کہہ کے ارادہ کیا کہ اٹھ کے اپنے خلوت کے خیمے مین چلے آئین۔

یہ طرز عمل دیکھ کے کل زمینداروں اور باقی دارون کو یقین ہوگیا کہ اب ہمارا کچھ زور نہ چلے گا اور روپیہ دینا ہی پڑے گا۔ بعض نے تو روپیہ کی فراہمی کا بندوبست شروع کر دیا۔ اور جن سے ادائی کی کوئی تدبیر نہ بن پڑی انھون نے فوج نظامت کے افسرون کو راضی کر کے اپنی ضمانتین جو ان دنون "قبض" کہلاتی تھین پیش کین۔ غرض ایک ہی صحبت مین یا تو روپیہ وصول ہوگیا اور یا ایسے بڑے خودسر اور سرکش تعلقدارون سے سرکاری رقوم کی بابت ضمانتین وصول ہوگئین۔ جن فوجی افسرون نے ضمانت کی تھی اُن کو خود اپنی اور اپنے سپاہیون کی تنخواہین خاص خزانہ نظامت سے یکمشت ملا کرتی تھین لہذا ایک بڑی رقم تو گویا اُن کی ماہواری سے وضع کر کے خزانہ شاہی مین داخل کی جا سکتی تھین پھر تقدیر قابل اطمینان انتظام ہوگیا۔ اور بغیر اس کے کہ لڑائی بھڑائی درکنار نکسیر بھی پھوٹے۔

اس ایک دن کی کارروائی نے سارے علاقے کو درست کر دیا اور گویا نظامت بھر مین اب کوئی دشواری نہین باقی رہی تھی۔ چند ہفتہ تک یہان اور کھٹر کے ناظم صاحب نے جملہ انتظامات کی اصلاح کی۔ اور اس چکلہ کا انتظام مرزا قلندر علی بیگ کے ہاتھ مین دے کے اور چکلہ داریون کا رخ کیا۔ چونکہ اب کہین زیادہ سخت مشکلون سے سامنا نہین ہوا لہذا ساری نظامت کا جو ایک بہت بڑے حصۂ ملک پر حاوی تھی ایسا اچھا اور عمدہ بندوبست کر دیا کہ ہر چکلہ دار اپنے اپنے علاقے مین پورے رعب داب کے ساتھ حکومت کرتا تھا اور رقوم سرکاری بے خرخشہ وصول ہو جاتی تھین لیکن آغائی صاحب کا رعب اس قدر تھا کہ اپنے مامور کیے ہوئے لوگون کو بھی

کبھی خودسری کا موقع نہین دیا۔ ہر معاملے پر بیدار مغزی و مستعدی سے نظر ڈالتے اور پورے سال بھر چاہے کوئی زمانہ اور کوئی موسم ہو نظامت کا دورہ کرتے رہتے۔ اور کوئی ایسا مقام نہ تھا جہان وہ اپنی دلچسپی اور عیش و عشرت کی غرض سے زیادہ ٹھہر جاتے ہون۔ ہر جگہ پر یکسان نظر پڑتی رہتی تھی اور ہر تعلقدار کے تیور دیکھتے رہتے تھے۔

اودھ کا قاعدہ تھا کہ ایک سال کی رقوم وصول ہو جانے کے بعد دوسرے سال پچھلی دشواریون کا سامنا ہوتا۔ اور اگلا کیا دھرا سب بیکار ہو جاتا۔ لیکن آغائی صاحب نے ان سب دشواریون کو عجیب آسانی سے دور کر دیا۔ جن لوگون کے ذمے سال گزشتہ کی کچھ لقایا رہ گئی تھی اُن کی بابت قبضداروں پر زور ڈالا گیا کہ اپنی ضمانت کی شرطین پوری کرو۔ یہ رنگ دیکھ کے قبضدارون کے حواس جاتے رہے۔ اور اُنھون نے اپنی گلوخلاصی کے لیے تعلقدارون پر سختی شروع کی۔ اس پر بھی جن لوگون کے ذمے کچھ روپیہ رہ گیا اُن کے بارے مین آغائی صاحب نے یہ فیصلہ کیا کہ رقم حال کے ساتھ لقایاے سابق کی بھی نئی قبولیت لکھ دین۔ اور نئے ضمانت نامے داخل کرین۔ تعلقدارون کو سوا اس کے کہ اس حکم کی تعمیل کرین کسی بات مین مفر نہ نظر آیا۔ غرض اسی طریقے سے ہر سال سرکاری روپیہ بہ آسانی وصول ہونے لگا۔ کیونکہ قبضدار اور مالگزار دونون ناظم صاحب کی پالسی کے پھندے مین پھنسے ہوئے تھے۔ اور یکایک ایسا نظر آیا کہ گویا اس نظامت مین سرکشی اور نادہندی کا دروازہ ہی بند ہو گیا۔ اسی طرح اپنے وطن رُدولی کی چکلہ داری پر آغائی صاحب نے نواب سید حسین خان کو مقرر کیا۔ اور وہان کا انتظام بھی بوجہ احسن چلنے لگا۔ اس علاقہ کو آغائی صاحب کا وطن ہونے کی عزت حاصل تھی۔ اور اعزا و اقارب موجود تھے جنھون نے لوگون سے مل جل کے خود ہی ایسا انتظام کر دیا کہ لوگون مین کسی قسم کی شکایت نہین پیدا ہوئی۔ اور کل اُمور خود ہی خوش اسلوبی سے ادا ہونے لگے۔

شمع حرم

دُنیا مین ہزارہا شمعین روشن ہین۔ اور لاکھون صحبتون کی مختلف کیفیتین اسی شمع کی روشنی مین نظر آیا کرتی ہین۔ یہی شمع بادشاہون کے عالی شان قصر و ایوان مین روشن ہے۔ اور یہی ایک میلا اور چکنا ہوا چراغ بن کے غریب کے شکستہ جھونپڑے مین جھلملا رہی ہے یہی ویر کے مستطیل گنبد کے نیچے ہے اور یہی مسجد کے طاق مین۔ اسی کی روشنی مین زاہد شب زندہ دار عبادت کرتا ہے۔ اور اسی کی کرنون مین بے رحم قاتل اپنی تلوار کی باڑھ دیکھتا ہے۔ اسی کی شعاعون مین بیٹھ کے فیاض وہ رقم گنتا ہے جو مستحقین کو دی جائے گی۔ اور اسی کی نظر کے سامنے چور اور ڈاکو سب چھپا کے وہ روپیہ گنتا ہے جسے چُرا کے یا لوٹ مار کے لایا ہے۔ غرض جو کچھ ہوتا ہے اسی انجمن کی محرم راز اور رہروان کی پردہ پوش شمع کے سامنے ہوتا ہے۔

گو دُنیا کی سب شمعین بجائے خود ایک خاص کیفیت اور خاص شان رکھتی ہین۔ مگر جو بات شمع حرم مین ہے کسی مین نہین۔ اُس کی روشنی حرم کی سادی عمارت کے اندر ہی نہین بلکہ دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہ شمع نہین بلکہ گویا ماہتاب ہے جس کی چاندنی نے چھٹکنا شروع کیا تو ایک چشم زدن مین تمام اقطار عالم مین پھیل گئی۔ حرم کی یہ شمع اُس روغن زیتون کے بے تکلف چراغ کی یادگار ہے جسے ابراہیم خلیل اللہ نے تو شہر مکہ اور نسل عرب کے لیے خیر و برکت کی دعا مانگتے وقت

عرب کی ایک وادی غیر ذی زرع مین معبد الٰہی بنا کے روشن کیا ہوگا۔ مگر کرنین اس کے بلند دروازے سے جھپکنا شروع ہوئین تو سارے ریگستان کی اُجلی سطح اور بیابانون کے خیمے ہوئے ۔ انھون مین ذرہ ہاے نور چمکاتی ہوئی کل سرسبز و شاداب زمینون متلاطم سمندرون اور سر بفلک پہاڑون کو طے کر کے وہان تک پہونچ گئین جہان تک نہ ہماری نظر پہونچ سکتی ہے اور نہ ہمارا خیال۔

... زبان سے کچھ نہین کہتی۔ مگر ... آنکھ کھلی ہوئی ہے۔ گویا ... پر آنسو بہاتی جاتی ہے مگر خاموشی کی زبان ... فضائل اور اپنی خوبیان بیان کر رہی ہے۔ اور ... کاش ... جسے سُن کے دلون مین ایمان کا جوش پیدا ہو جاتا ہے اور لوگ خدا پرستی کے لیے دوڑتے ہین۔ یہ تو ایک کہانی ہے کہ کوہ ندا سے "یا اخی! یا اخی!" کی طلسمی صدا سُنکے لوگ بیتاب ہو کے دوڑ پڑتے تھے۔ مگر شمع حرم سے سچے مبلّغ توحید کی صدا "یا امتی یا امتی!" آج تک سُنی جاتی ہے۔ اور جو سُنتا ہے جام توحید کا مست اور شمع عرفان کا دلدادہ ہو کے اس طرح بے اختیار دوڑتا اور اس شمع حرم کی طرف لپکتا ہے کہ اُسے سر و پا کا ہوش نہین رہتا۔

اس کی شعاعین کہان کہان چمک رہی ہین! اور اس کا جلوہ کہان کہان نظر آ رہا ہے۔ دیکھو دعوت حق کرنے والے مجاہدین کی آبدار تلوارون پر اس کی کرنین کس آب و تاب سے چمک رہی ہین؟ اور کہان کہان جا کے چمکی ہین؟ اس کے نور نے کیسے کیسے ظلمت کدون کو روشن کر دیا ہے؟ اور آناً فاناً کیسی کیسی ظلمتین مٹا کے رکھ دی ہین۔ ہدایت کے تمام راستون مین اس نے اُجالا کر دیا ہے۔ اور بڑھتے بڑھتے جا کے دلون اور سینون مین چمکی ہے۔ آج کل کے علماے سائنس کو دعوے ہے کہ انھون نے نور کی رفتار کا پتہ لگا لیا ہے۔ لیکن صحیح رفتار نور لالٹینون کو فاصلے پر رکھ کے کھولنے اور بند کرنے سے نہین معلوم ہو سکتی جس طرح کہ یہ لوگ معلوم کیا کرتے ہین۔ نور کی سچی چال معلوم کرنا ہے تو اس امر پر غور کرین کہ شمع حرم کے نور کی کرنین کس سرعت کے ساتھ بڑھ کے سارے عالم مین چھٹک گئین۔ اور آفتاب کی طرح جو اپنی روشنی سے ہزارہا کروڑ ...

توحید گل ہوگیا جو میری روشنی سے منور ہوا تھا۔ اس نے پہلے تو فیاضی اور مہمان نوازی
کا جوہر دکھا کے لوگون کو اپنا دالہ و شیدا بنایا۔ اور تمام قبائل عرب کے دل اپنے
ہاتھ مین لیے۔ پھر ارض شام مین جا کے لوگون کو ہبل کی مورت کے آگے سر جھکاتے
دیکھا تو یہ مشرکانہ ادا کچھ ایسی پسند آئی کہ ان لوگون سے کہا کوئی ایسی ہی مورت
ہمین بھی دیجیے اپنے شہر مین لے جا کے رکھین۔ اور تمہاری طرح سے خود بھی پوجین
اور سب ہموطنون سے بھی پجوائین۔ اُس کی [illegible] آنکھین میری روشنی سے ایسی
چکا چوندھ ہوئین کہ اندھا ہو گیا۔ اور یہ سمجھا کہ خانہ کعبہ بغیر کسی دیوتا کی مورت کے
بے چراغ ہے۔ غرض شام والون نے ہبل نام ایک بڑا بت اُسے دیا جسے لا کے
اس نے خاص میرے بزرگ ابراہیم خلیل اللہ کے بنائے ہوئے معبد مین رکھ دیا
اور لوگون کو سکھانا شروع کیا کہ خالی خولی گھر کے گرد کیا طواف کرتے ہو اس
مورت کے آگے سر جھکاؤ۔ یہ بڑی نازک گھڑی تھی خاص میرے [illegible] اس مین
ظلمت تھی بلکہ ظلمت بڑھتی جاتی تھی۔ اور میرا نور مٹتا جاتا تھا۔ آخر مین جھلملاتی
رہ گئی۔ اور تمام لوگون کے دلون مین میرا چراغ گل ہوگیا۔ سب بت پرستی اس قدر پسند
آئی کہ ہبل کے پاس ہی اور صدہا مورتین کعبہ کے اندر لا کے رکھ دی گئین۔ اب میرے
سامنے خدا پرستی نہ تھی بلکہ بت پرستی کا زور و شور تھا۔ مین "شمع حرم" ہونے کے عوض
چراغ دیر بن رہی تھی اور اپنی شعاعون مین مجھے نور کے عوض ظلمت نظر آتی تھی۔

چراغ دیر بننے سے پہلے مجھ پر ایک زمانہ ایسا بھی گذرا تھا کہ مین یہان سے
عبادت اور پرستش کے لوگون کی سیہ کاریون کا تماشا دیکھا کرتی تھی۔ زانی آ کے
میرے سامنے زنا کرتے بے رحم میری آنکھون کے سامنے قتل و خونریزی کرتے
اور مین خاموش اور سنسان بے اختیاری و مجبوری کے ساتھ صبر و شکر کر کے
ان سیہ کاریون کو دیکھتی تھی۔ اس کے خلاف جب میری شعاعون مین بت پرستی
کا جوش بھر دیا گیا تو مین اپنی قسمت پر [illegible] رونے لگی۔ اور گویا [illegible]
حرف توحید تھا [illegible] پہلے لکا کرتے تھے۔ دور دور سے لوگ آ کے میرے سامنے سر
جھکایا کرتے تھے تو مین اس کفر و شرک کے زمانے پر اس سیہ کاری و بدکاری
کے زمانے کو ترجیح دیتی تھی

ممکن تھا کہ ان جہالتوں سے برہم اور ان نالائقیوں پر مشتعل ہو کے میں اپنی لو کو ذرا اڑھاتی اور خانۂ کعبہ اور گرد و پیش کے سامان شرک میں آگ لگا دیتی۔ مگر نہیں مجھے خاموشی سے انتظار کرنے کا حکم تھا۔ خدا کی یہی مرضی تھی کہ ان بدتمیزیوں کو چپکے چپکے دیکھوں اور دم نہ ماروں۔

آخر وہ وقت آ گیا جب میری روشنی سارے عالم میں پھیلنے والی تھی۔ اور خدا کی مشیت میں تھا کہ ساری دنیا میرے نور سے جگمگا اٹھے۔ عین اس حالت میں کہ ہر طرف کفر و شرک کا دور دورہ تھا میری توحید کی شعاعیں بت پرستی کی ظلمت سے مغلوب ہو کے بے اثر ہو گئی تھیں اور میں بت خانے کا چراغ بنی ہوئی تھی حضرت پیغمبر عرب اور نبی آخر الزمان صلعم پیدا ہوئے آپ کی ولادت کے ساتھ ہی میری ضو نے یکایک ایک صاعقہ کی شان سے ایوان کسریٰ پر پہونچ اس کے در و دیوار میں زلزلہ ڈال دیا۔ اور اس کی بنیاد منہدم کر دی۔ اس کے چالیس برس بعد جب دعوت حق کی صدا بلند ہوئی تو میری سچی روشنی نمودار ہونا شروع ہوئی۔

وہ وقت مجھے اچھی طرح یاد ہے جب شرک و توحید میں مقابلہ شروع ہوا ہے اور شرک اپنی ظلمت کا آخری جوش غیظ و غضب کے ساتھ دکھا رہا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ اپنی دست برد سے مجھے گل کر دے۔ اس وقت اس سچے داعی حق اور اس کے چند بست باوفا توحید رفقا نے مخالفوں اور توحید کے دشمنوں کے ہاتھ سے جیسی جیسی تکلیفیں اٹھائیں۔ اور سخت سخت اذیتیں برداشت کیں بیان نہیں ہو سکتا۔ کبھی اندیشہ ہوتا تھا کہ ایسا نہ ہو میرے ساتھ ان داعیان حق کی زندگی کا چراغ بھی نہ گل ہو جائے۔ لیکن نہیں۔

چراغے را کہ ایزد برفروزد کسے کو پف زند ریشش بسوزد

کسی کا کچھ زور نہ چلا۔ اور نعرۂ توحید بلند کرنے والوں کی آواز سارے عرب میں گونج اٹھی اب میری شان بڑھانے میری روشنی تیز کرنے کے لیے بت پرستی و شرک کے رسوم مٹا دیے گئے۔ توحید و خدا پرستی کا سچا جوش دلوں میں پیدا کیا گیا۔ حرم کا ایوان ربانی بتوں کی ظلمت سے صاف اور وحدت کے نور سے معمور کیا گیا۔ اور ان کارروائیوں کے ساتھ ہی میں یکایک اس طرح چمک اٹھی کہ میری کرنیں مشرق و مغرب

اور شمال و جنوب کی انتہائی سرحدون سے گزر جانے کے لیے بیتاب تھین۔

اب ایک مبارک گروہ میری روشنی پھیلانے اور میرے راستے مین سے ظلم و جور اور شرک و کفر کی خاردار جھاڑیان دور کرنے کے لیے تیار ہوا۔ یہ لوگ میرے نورانی رنگ مین رنگے ہوے تھے۔ ان کے جھنڈون پر میری روشنی کوکب اقبال بن کے چمک رہی تھی۔ ان کی جہاد و غزا کی تلوارون پر میری شعاعون کا عکس پڑ رہا تھا ان کے نورانی چہرون اور ان کی متبرک ڈاڑھیون پر میری کرنین عالم نور پیدا کر رہی تھین اور اُن کے سینون اور دلون مین وہ چراغ لمعہ افگن تھے جنھین مین نے اپنی روشنی سے جلایا تھا۔ یہ خدا کا مرتب کیا ہوا لشکر حق پرستی کی دھن مین جو نکلا تو چند ہی روز مین ساری دنیا ظلمت کے نشیب و فراز سے پاک ہو گئی اور جہان دیکھیے سرزمین مین دیکھیے میری ہی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

آج تم جہان تک [illegible] مسجدون [illegible] میری [illegible] قندیلون [illegible] دیکھتے ہو مگر [illegible] اور چراغون کی روشنی مین چلتے پھرتے ہو جو میرے ہی نور سے روشن ہوے ہین۔ کونسی خدا پرستی کی مسجدون سے خالی ہے؟ [illegible] ان مسجدون کے طاقون مین جتنے چراغ جل رہے ہین ان سب مین میری ہی روشنی ہے مین نے اپنی پیدا کی ہوئی [illegible] سے تمھارے تمدن اور تمھاری دنیوی [illegible] شہرت [illegible] آبادیون کی رونق بڑھائی اور تمھاری گزرگاہون مین اجالا پھیلایا تو مین نے تمھارے [illegible] دوسرے بھی روشن کر دی جس پر سے ہو کے تمھین سب سے بڑا سفر کرنا پڑتا ہے۔ اور جو تمھین اس عالم سے اُس دوسرے عالم نور مین پہونچاتی ہے۔ یہ سڑک تیرہ و تاریک اور نہایت خطرناک حالت مین پڑی تھی۔ مین نے اُس مین اپنی لالٹینین روشن کین اور تمھین دکھا دیا کہ کیونکر تم نجات کے راستے پر چل سکتے ہو۔ اور دور کیون جاؤ اگر تمھین توحید کا چسکا ہے اور نور ایمان رکھتے ہو تو خود اپنے سینون مین میرا چراغ روشن پاؤ گے۔“

شمع حرم کی زبان سے یہ واقعات سننے کے بعد اب سوا اس کے اور کچھ نہین باقی رہ گیا ہے کہ ہم اس کے لیے روز افزون ترقی کے ساتھ ہمیشہ روشن رہنے کی دعا کر کے اپنے ناظرین سے رخصت ہون۔

ختنہ

یہ رسم قدیم الایام سے بعض پرانی قوموں مین چلی آتی ہے۔ اور اس کے سب سے بڑے حامی یہود اور مسلمان ہین۔ مسیحی اگر سچے پیرو مسیح ہوتے تو ان مین بھی ضرور اس کا رواج ہوتا۔ مگر انھون نے غیر مختون یونانیون اور رومیون کے اثر سے جہان سؤر کو جائز کیا ہیکل سلیمانی یعنے مسجد اقصیٰ کی تعظیم ترک کی وہان ختنہ سے بھی آزاد ہو گئے۔

دُنیا کی مختلف اقوام کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو نظر آتا ہے کہ اگلے زمانے کی بہت سی اور قومین بھی بغیر اس کے کہ مذکورہ ختنہ کرنے والی قومون سے متاثر ہوئی ہون ختنہ کرتی تھین۔ قدیم اہل مصر فراعنہ کے دور مین ختنہ کراتے تھے۔ مصر مین فرناق کی ہیکل خنسو کے کھنڈرون مین ایک دیوار پر تصویر ہے (جس مین دو لڑکون کا جو بظاہر اسباب فرعون رعمسیس دوم کے بیٹے معلوم ہوتے ہین) ختنہ کیا جا رہا ہے۔ ان لڑکون کی عمرین چھ سال اور دس سال کے درمیان ہین۔ اور ختنہ کرنے والا مقتدائے اعظم ہے۔ وسط امریکہ کی بعض شائستہ متمدن پرانی قومون مین بھی ختنہ کا رواج تھا۔ دریائے آمیزن کے علاقے مین ٹیما اور منڈو قومون مین یہ طریقہ آج بھی مروج ہے۔ اس قدیم دُنیا کے جنوبی جزائر مین بھی بہت سی مختون قومین آباد ہین۔ آسٹریلیا کے اکثر اقوام بھی ختنہ کراتے ہین۔ پاپوان لوگون نیو کلیڈونیا والون اور نیو ہیبریڈس کے رہنے والون مین بھی ختنہ مروج ہے۔

براعظم افریقہ پر اگرچہ فتوحات عرب کا بے انتہا اثر پڑا مگر وہان بھی بعض ایسی وحشی اور غیر اثر پذیر قومون مین ختنہ کیا جاتا ہے کہ اُسے عربی اثر کا نتیجہ بتانا ذرا دشوار ہے۔ یہان یہ کافر لوگون مین مروج ہے۔ بچوانا قوم مین یہ حالت ہے کہ مختون لڑکے اپنی صحبت الگ قائم کرتے ہین۔ اور غیر مختونون کو اُس مین شریک نہین ہونے دیتے۔ بعض مورخین سمجھتے ہین کہ ختنہ دراصل قوم عرب کا شعار تھا

اور یہود نے اسے اُن سے سیکھا۔ اور بعض سمجھتے ہین کہ یہود سے یہ طریقہ عربون مین آیا۔ غرض یہ بہت پُرانا رسم ہے جسکی نسبت یہ پتہ لگانا کہ کس سے نکلا اور کس سے کس مین پہونچا نہایت دشوار بلکہ غیر ممکن ہے۔

یہ معلوم کرنا بھی مشکل ہے کہ دُنیا مین اس عجیب رسم کا رواج کس غرض سے ہوا۔ مصر والون اور نیز شام کے فنیقیین مین یہ مشہور مقولہ پھیلا ہوا تھا کہ مصر (سورج) دیوتا جب اپنے عضو کے کاٹنے کی خواہش کرتا تو اُس سے خون بہنے لگتا۔ علے ہذا القیاس یہ دیومالا بھی اس سے تعلق رکھتی ہے کہ "ایل نے اپنے باپ اُرانوس کا یا خود اپنا ختنہ کیا۔ اور خون چشمون اور ندیون مین بہنے لگا" مگر ختنہ کو بُت پرستی کے ان افسانون سے متعلق کرنا غلطی ہے۔ یونان کا پُرانا مورخ ہرودوتوس کہتا ہے کہ "مصر والون مین ختنہ کا رواج صفائی کے خیال سے تھا" یون تو حفظ صحت کے اصول سے بھی ختنہ کو تعلق ہے مگر سچ یہ ہے کہ اس رسم کی بنیاد دُنیوی مصالح کے مقابل دینداری پر زیادہ ہے۔ اصل مین یہ ایک قسم کی قربانی تھی جس سے مقصود یہ تھا کہ اپنی خواہش نفسانی کا خون کر کے خدا کی حکومت اپنے اوپر تسلیم کی جائے۔ یا ایک حصۂ جسم فدیہ مین دے کے باقی جسم کے محفوظ رکھنے کی اُمید رکھی جائے۔

مورخین ان باتون کی چھان بنان مین جاہے جہان اور جس قدر بھٹکتے پھرین مگر اس مین شک نہین کہ مذہبی روایات نے قطعی طور پر فیصلہ کر دیا کہ ختنہ کا آغاز حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے خدا کے ایک عہد کے طریقے سے ہوا۔ توریت کی کتاب تخلیق کے ۱۷ باب مین آیات ذیل اس مضمون کو صاف طور پر بتا رہی ہین:-

"(۹) پھر خدا نے ابرہام (ابراہیم) سے کہا کہ تو اور تیرے بعد تیری نسل پشت در پشت میرے عہد کو نگاہ رکھین۔ (۱۰) اور میرا عہد جو میرے اور تمھارے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے جسے تم یاد رکھو سو یہ ہے کہ تم مین سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے۔ (۱۲) تمھاری پشت در پشت ہر لڑکے کا جب وہ آٹھ روز کا ہو ختنہ کیا جائے گا۔ کیا گھر کا پیدا کیا۔ پردیسی سے خریدا ہوا۔ (۱۴) اور وہ فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہین ہوا وہی شخص اپنے لوگون

مین سے کٹ جائے کہ اُس نے میرا عہد توڑا ہے

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم سے یہ خدا کا ایک عہد تھا جس کی
پابندی پوری نسل ابراہیم نے کی اور آج تک ہو رہی ہے۔ ایک طرف بنی اسرائیل
سختی سے پابند تھے حتی کہ خود جناب مسیح کا بھی ختنہ ہوا اور دوسری طرف بنی اسمٰعیل مین
اس کا پورا رواج تھا جن کی کوشش سے چند ہی روز مین ایسا زمانہ آگیا کہ کوئی خطہ
زمین مین جہان مختون خدا پرست نہ موجود ہون۔

توراۃ سے پتہ چلتا ہے کہ خدا اس رسم کو پہلے والوں اور اپنے
خاص بندون کے لیے نہایت اہم جانتا تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ جب بی بی بچون
کو لے کے مصر کی طرف واپس چلے تو راستے مین انھین خدا ملا اور چاہا کہ موسیٰ کو مار
ڈالے اور اس کا سبب سیاق عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے اپنے بیٹے
کا ختنہ نہیں کیا تھا۔ تب آپ کی بی بی صفورہ نے ایک تیز پتھر سے بیٹے کا ختنہ کر کے
کٹی ہوئی کھال خدا کے قدمون پر پھینکی اور کہا تو بے شک خون کے سبب سے
میرے سسرے کی طرح ہوا۔ تب اس نے (خدا نے) اسے (موسیٰ کو) چھوڑ دیا۔[عہ]

حضرت مسیح کے زمانے مین پولوس نے مسیحیون کی گنتی بڑھانے کی نیت سے کان
خصوصاً مین جب ہر قسم کے مشرکانہ رواج کو گوارا کر لیا تو ختنہ کی ضرورت بھی اُٹھا
دی جس کے باعث یروشلیم کے اصلی مسیحی اور خاص حضرت مسیح کے صحبت یافتہ
لوگ اُس کے دشمن اور خون کے پیاسے ہو گئے۔ لیکن مغرب کی آزاد مسیحیت بڑھتی

عہ یہ واقعہ مسلمانون کے عقائد کی رو سے نہایت لغو اور موحدین کی جگہ مشرکین کے
مذاق کا ہے اور یقیناً ترجمہ نے یہ خرابیان پیدا کر دین۔ عبرانی زبان کے محاورات پر حکومت
رکھنے والا ہی سمجھ سکتا ہے کہ اصل الفاظ کا مفہوم کیا تھا۔ محاورات کا لفظی ترجمہ ہمیشہ ایسی
خرابیان پیدا کر دیا کرتا ہے۔ عربی مین بین یدیہ کے لفظی معنے ہین اُس کے دونون ہاتھون کے درمیان
مگر اس کا علی العموم مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اُس کے سامنے۔ اب فرض کیجیے کہ خدا نے کسی جگہ فرمایا ہو مین یدی
سمجھدار تو اسکا مطلب یہی سمجھین گے کہ میرے سامنے۔ مگر محتاط لفظی ترجمہ کرنے والا کہے گا میرے دونون
ہاتھون کے بیچ مین۔ ایسی خرابیان توراۃ مین کثرت سے پیدا ہو گئی ہین۔ اور چونکہ عبرانی زبان
مردہ ہو گئی اس لیے اصلی راز کا کھلنا میرے نزدیک امکان سے باہر ہو گیا۔

گئی۔ اور اصلی مسیحیت جو ارض مقدس مین تھی گرد رہو کے فنا ہوتی رہی۔ یہان تک کہ
آخر مسیحی فرقہ جو "ناصری" کہلاتا تھا دُنیا سے ناپید ہو گیا۔ اور حضرت رسول آخر الزمان
علیہ السلام کو مبعوث ہو کے پکار دینا پڑا کہ اصلی مسیحیت نہین باقی رہی۔

اب مسیحیت یہود کے ساتھ مختونیت کا بھی استیصال کر رہی تھی اور قریب
تھا کہ رومی بت پرستی جو مسیحیت کے جامے مین نمودار تھی اس ابراہیمی عہد کو خدا کے
بندون سے چھڑوا دے کہ حضرت سرور کائنات کی بعثت سے عرب کا دور شروع
ہوا۔ اور بنی اسماعیل جو اب سُنت ابراہیمی کے سچے حامی تھے توحید کی صدا بلند
کرتے ہوئے دُنیا مین پھیلے۔ اور چند ہی روز مین یہ معجزہ دکھا دیا کہ خدا کا یہ عہد صرف
ارض فلسطین مین نہین بلکہ ہر جگہ پورا ہو رہا تھا۔

یہود کے اور اسلام کے ختنے مین تھوڑا فرق ہے۔ یہود لازمی طور پر بچے کا
ختنہ اُس کی ولادت کے آٹھوین دن کیا کرتے تھے۔ اور مسلمانون مین اس کی پابندی
نہین۔ وہ ولادت سے بلوغ تک جب چاہین ختنہ کر سکتے ہین۔ بلکہ قدیم زمانے مین
عربون کے ختنہ کا زیادہ تر رواج بالغ ہونے کے وقت تھا۔

لیکن تعجب یہ ہے کہ بعض قومون مین عورتون کا ختنہ بھی مروج تھا۔ اُن کی
شرمگاہ مین گوشت کا کچھ زائد حصہ کاٹ لیا جاتا تھا۔ اور بعض خاص عورتین
تھین جن کے ہاتھ سے اس رسم کی تکمیل ہوتی تھی۔ قدیم اسٹرابو کے زمانے مین
یعنے اسلام سے بہت پہلے مصر اور عرب کی عورتون مین عموماً ختنہ ہوا کرتا تھا۔ مسٹر
لین تصدیق کرتے ہین کہ مملکت مصر مین اس کا رواج آج تک موجود ہے
دیگر سیاح تصدیق کرتے ہین کہ خلیج فارس کے دونون جانب یعنے بحرین عمان
عراق اور فارس مین یہ عموماً مروج ہے۔ افریقہ کے بعض مغربی اضلاع مین بھی
عورتین مختون کی جاتی ہین۔ چنانچہ ڈھومی قوم بھی (سگی) پوری طرح پابند ہے۔

اسیر غربت

مندرجہ بالا عنوان کے تحت مین ہم ایک بیش بہا جدید مذاق کی نظم شائع کرتے

ہین جو ایک انگریزی نظم سے ترجمہ کی گئی ہے۔ انگریزی مین یہ نظم مشہور شاعر کوپر کی ہے۔ اور جس قصہ سے اس کو تعلق ہے وہ یہ ہے کہ الکزانڈر سلکرک جو اسکاٹلینڈ کے ایک قصبہ لارگو کا رہنے والا اور ۱۶۷۶ء مین پیدا ہوا تھا ۱۷۰۴ء مین جب کہ چوبیس برس کی عمر تھی کسی بحری سفر پر روانہ ہوا تھا۔ اس سفر مین جوش جوانی کی خودسرائی اور بے احتیاطیون نے جہاز کے کپتان سے لڑا دیا۔ اس نے کپتان کو سخت سست کہا۔ کپتان نے برہم ہو کے جزیرہ جان فرنانڈز مین جو شمالی امریکہ کے ساحل چلی سے ۴۰۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے جا کے اتار دیا اور اسے تن تنہا اس کی قسمت پر چھوڑ کے جہاز کا لنگر اٹھا دیا۔ مگر اس کے بعض سوانح نگار اس کی مصیبت کی سرگزشت یون بیان کرتے ہین کہ وہ بحری سفر پر جا رہا تھا کہ ایک بلاخیز طوفان آیا۔ جس نے جہاز کو ڈبو دیا۔ اور سب ہمراہی تو سمندر کے آغوش اجل مین پہونچے مگر وہ ایک تختے پر بہتا ہوا ساحل نجات سے ہمکنار رہا۔ اس جزیرے مین اس نے چار سال تک ساری دنیا سے الگ زندگی بسر کی جس کے بعد آئی کپتان ووڈس راجرس نے اسے قید تنہائی سے نجات دلائی۔ یون جب وہ جان بر ہو کے انگلستان پہونچا تو اپنی یہ سرگزشت جادونگار منشی ڈینیل ڈیفو سے بیان کی۔ اسی سیاح کے حالات سفر پر فسانہ نگار نے اپنی مشہور عالم تصنیف رابنسن کروسو کے فرضی واقعات سفر کو مبنی کیا ہے۔ اس نظم مین یہ دکھایا گیا ہے کہ اس سنسان جزیرے مین الکزانڈر سیل کرک آپ ہی آپ اور خود اپنی طرف متوجہ ہو کے کیا باتین کر رہا ہے لیکن کوپر اپنے کمالات مین ہماری تعریف کا محتاج نہین۔

ہمین صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ کلکتہ کے روشن خیال نوجوان منشی بدرالزمان صاحب نے ان مغربی خیالات کو جو ہندوستانی کپڑے پہنائے ہین وہ کیسے ہین جہان تک ہمارا خیال ہے ہمارے دوست کو پوری کامیابی ہوئی ہے۔ اور جیسا اچھا اور فصیح و معنی خیز ترجمہ انھون نے کیا ہے اس سے بہتر رو ترجمہ شاید مشکل سے ہو سکے گا بجاے اس کے کہ اس ترجمے کی نسبت کسی قسم کے خیالات ظاہر کیے جائین مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے بجنسہ شائع کر کے ہم سخن سنجان اردو

سے دادخواہ ہون۔

سلطنت اپنی ہے جتنی دور تک جائے نظر
بحر و بر پہ خاص کر لی مجھ سے ہو دن تاب کیا!
دامنِ صحرا سے دریا تک ہے جتنا بحر و بر
سب درندون اور پرندون کا ہون مین فرمانروا
کُنجِ تنہائی! کرشمے حُسن کے وہ کیا ہوئے
جن کا جلوہ دیکھتے راہب تھے حیرت سے پڑے؟
یان تو اس وحشت کدے کی بادشاہی سے مجھے
منزلِ خوف و خطر مین رہنا ہے مرغوب تر

عالمِ انسان تک اپنی ہو رسائی کیا مجال!
عمر ساری وحشت پیمائی ہی مین کٹ جائے گی
میٹھی باتین آدمی کی سُن سکون - بالکل محال!
چونک چونک اٹھتا اپنی ہی آواز پر ہون ہر گھڑی
پھر رہے اس دشت مین ہین جتنے وحشی جانور
میری صورت دیکھ کر ہوتی نہین وحشت انھین
ہیأتِ انسان سے سب ناآشنا ہین اس قدر
اُنس اُن کا ڈالتا ہے اور مجھ کو رنج مین

صحبتِ یارانِ مونس! دوستی! اور عاشقی!
تم ہو سب پروردگارِ دو جہان کی نعمتین
ہائے! قمری کے سے پر مجھ کو جو مل جاتے کبھی
کتنی جلدی لوٹتا اُڑ کر تمھاری لذتین
غم غلط کر سکتا شاید گر پہنچتا مین وہان

دیدہ اری او عشق کی راہ میں رکھ کر قدم
یا میں شاید سیکھتا بوڑھوں سے کچھ دانائیاں
لطف اٹھاتا بیٹھ کر بزمِ جوانان میں بہم

دین اکیلا گیج نا معلوم و بے حد رہتا ہے
تیرے پیارے آسمانی نام کے اندر نہاں؟
پھر دُور سے بھی زیادہ بڑھ کے تیر اُترتا ہے
ملکہ ہے تیری صفات ساری دُنیا پر عیاں
یہ یہاں ان وادیوں اور کہساروں میں کبھی
گونجنے پائی نہیں اللہ اکبر کی صدا
سُن سکے یاں قرآن کبھی ایسے نہ پایا آہ بھی
دیکھ کر جمع نہ جمعہ کا خوشی سے ہنس سکا

اے مجھے رودر دکے بزم چھیڑنے والی صبا
اس مرے سنسان ساحل کی طرف اک بار بھی
لا کوئی خوشخبری جو خونِ گشتہ دل کو دے مزا
اُس زمین سے میں جہاں جانے نہ پاؤں گا کبھی
دوست میرے یاد بھی کرتے مجھے ہیں؟ اے صبا!
مجھ سے ملنے کا کسی کو شوق اب بھی ہے وہاں؟
یہ نہیں تو کہہ کہ زندہ بھی ہے کوئی آشنا؟
ہائے دیکھوں صورتیں وہ ایسی اب قسمت کہاں؟

دیکھنا کیسی سریع السیر ہے چشمِ خیال!
دوڑ میں پاتا نہیں ہے کوئی اس کی گرد بھی
رہ گئی آندھی بھی پیچھے پا شکستہ خستہ حال

تیرِ پرِ تیرِ شعاعی مین بھی یہ سرعت نہ تھی
دل مین میان آیا اِدھر خاکِ وطن کا مدعا
اُڑ کے یہان جا پہونچا اک لحظہ مین گویا تھا وہین
آہ! لیکن یاد آجاتا ہے فوراً یہ قفس
اور بن جاتا ہون یہان آکر وہی غربت نشین

لو وہ مُرغابی نے اپنے آشیان کی راہ لی
پڑ رہے وحشی درندے جاکے اپنے غار مین
اک گھڑی اِس عالمِ ہُو مین بھی ہے آرام کی
تو چلون اب مین بھی اپنے خانۂ بے یار مین
ہر جگہ معمور ہے ربّ العُلا کے فضل سے
اور فضل اُس کا بڑھا کر حوصلہ اُمید کا
دردمندی مین بھی پیدا کرتا ہے کچھ کچھ مزے
اور دیتا بدنصیبی مین ہے تسکین کا مزا

سوانح مولانا روم

شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی کی ایک جدید تصنیف تیار ہوئی ہے جس کے لیے شائقین بڑے جوش سے دستِ شوق بڑھا رہے ہین اور علمی صحبتون مین اسی کا تذکرہ ہے اسمین مولانا نے مولانا روم کے حالاتِ زندگی لکھے ہین۔ پوری کتاب ۲۰×۲۶ تقطیع کے ۲۰۰ صفحون پر تمام ہوئی ہے حصہ اول جس مین مولانا جلال الدین رومی کے حالات بیان کیے گئے ہین صرف ۴۵ صفحون پر ختم ہوگیا ہے ۴۶ صفحہ سے دوسرا حصہ شروع ہوا ہے جس مین مولانا کے تصانیف پر ریویو ہے۔ دو صفحون پہ تین تصانیف کے نام اجمالی طور پر بتا کے پہلے گیارہ بارہ صفحون مین دیوان پر ریویو ہے۔ اور صفحہ ۶۰ [illegible]

کیا گیا ہے۔ رسالۂ الندوہ بھی بتا رہا ہے اور ہمیں یوں بھی معلوم ہے کہ گزشتہ دو تین سال سے ہمارے شمس العلما مثنوی شریف کے مطالعہ میں زیادہ غرق تھے۔ ایک صاحب ذوق عالم کے مطالعہ کا آخر کچھ نتیجہ ضرور ہونا چاہیے۔ چنانچہ اس کتاب کے مضامین ہی وہ دُرہائے شاہوار ہیں جنہیں مولانا شبلی اس دریا سے عرفان میں غوطہ لگا کے نکال لائے ہیں۔ ہمیں تعجب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے رباعیات مولانا روم کو دیوان میں شامل خیال فرمایا۔ حالانکہ مولانا کی رباعیاں ایک مستقل تصنیف ہیں۔ اور خاص توجہ کی مستحق ہیں۔

یہ کتاب ہماری اور ہمارے تمام ہم مذاق لوگوں کی نظر میں اس قدر قیمتی ہے کہ کوئی شخص بغیر تعریف کیے ہاتھ سے نہیں رکھ سکتا۔ مگر خدا کرے ارباب باطن اور ہمارے معاصر صوفیوں کو بھی پسند آئے۔ جن کے لیے در اصل یہ لکھی گئی ہے کیونکہ جو لٹریچر مثنوی شریف کے متعلق ہو اُس کی قدر دانی انھیں کی آہ یا واہ پر منحصر ہے۔

چھپائی کے متعلق تو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کانپور کے نامی پریس میں چھپی ہے اور اس ہم آہنگی کا نتیجہ ہے کہ جس شوق سے مولانا شبلی چھپواتے ہیں اُسی شوق سے منشی رحمت اللہ صاحب رعد چھاپتے ہیں۔ چونکہ مختلف قسم کے کاغذوں اور صفحوں میں چھپی ہے اس لیے قیمتیں بھی مختلف ہیں۔ مگر جو ادنے درجے کے کاغذ پر ہے وہ بھی بجائے خود نہایت عمدہ اور نظر فریب ہے۔ قیمت ہم سے ہے تک۔

قدر دانان علم لکھنؤ۔ گولہ گنج۔ دفتر الندوہ کے پتے پر درخواست بھیج کے خود مصنف ممدوح سے طلب فرما سکتے ہیں۔

اخلاق انسانیہ

ہمارے قدیم دوست مولانا سید عبد الغنی صاحب وارثی عظیم آبادی جن کی تصانیف سے پبلک نا آشنا نہیں یہ ایک نئی کتاب شائع کرکے ار...

لٹریچر کے علمی حصے مین نہایت ہی قیمتی اضافہ کیا ہے۔ اس رسالے کو حکیم ابو الفرج بن ہندو نے جو پانچوین صدی ہجری کی ابتدا کے گرانبایہ مصنفون مین سے عربی زبان مین بڑی لیاقت سے تالیف کیا تھا اور اس مین حکماے یونان کے کلمات حکمت اور مواعظ و نصایح کو جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہین بڑی کوشش و جستجو سے جمع کیا تھا مصر کے فاضل مصطفےٰ قبانی دمشقی نے اصل کتاب کا ایک پرانا کرم خوردہ نسخہ تلاش کر کے چھپوایا جو ہندوستان مین پہلے پہل شمس العلما مولنا شبلی نعمانی کے پاس آیا۔ اُن سے فاضل مترجم ممدوح کے ہاتھ لگا اور اُنھون نے محض ملکی لٹریچر کی خدمتگزاری کے خیال سے فصیح اور سادی بے تکلف اُردو مین ترجمہ کر کے شائع کر دیا۔

اس مین ۸۹ حکماے یونان کے اقوال۔ کچھ اقوال اُن مشاہیر یونان کے جن کے نام نہین معلوم ہو سکے بہت سی یونانی مثالین۔ اور نیز کچھ ایسے نصایح جو یونانیون کے اشعار سے اخذ کیے گئے ہین علحدہ علحدہ منضبط ہین۔ اصل عربی کتاب کا نام "الکلم الروحانیہ فی الحکم الیونانیہ" ہے۔

یہ رسالہ اس قابل ہے کہ اُردو کے سلسلۂ کورس مین داخل کیا جاے۔ کیونکہ اتنا بڑا اخلاقی ذخیرہ اور کہین یکجا نہ مل سکے گا۔ مگر افسوس ہمارا سررشتۂ تعلیم لڑکون کو نہین بلکہ زیادہ تر اُن لوگون کو نفع پہونچانے کے لیے ہے جو سررشتۂ تعلیم کے ملازم ہین در ملازمت کے ساتھ کسی قدر ابتہ و اُن کے نام سے تجارت کی دوکان بھی کھول لیا کرتے ہین۔ ملکی لٹریچر بہت ترقی کر رہا ہے اور ہر درجے کے مناسب اعلے قابلیت کی کتابین پیدا ہو گئی ہیں لیکن مگر سررشتۂ تعلیم کو اُن سے علاقہ نہین سوا اُنھین کتابون کے کا جو ذاتی تمتع کے لیے لکھی جائین اور خوشامد در آمد کے ساتھ اُسکے سامنے پیش کی جائین۔ اتنا ہی نہین بلکہ زبردست سفارشین بھی ہون۔

لائق و آزاد مصنفو! اور اُردو کے سچے خادمو! تمھاری اُمیدین صرف پبلک سے وابستہ ہین۔ تمکو خدا نے اسلیے پیدا کیا ہے کہ سوتی قوم کو خود ہی جگا دو اور خود ہی اُس مین کتب بینی کا صحیح ذوق پیدا کر دو۔ یہ رسالہ نہایت عمدہ خوشخط ۱۸+۲۲ تقطیع کے چکنے گندہ کاغذ پر ۲۰ صفحون مین چھپا ہے۔ اور افسوس کہ ہمین قیمت نہین بتائی گئی جن حضرات کو ملاحظہ کا شوق ہو حیدر آباد دکن محلہ گلباغ کے پتہ پر خط بھیج کے خود مترجم ممدوح سے طلب فرمائین۔

غلام سمجھے جا سکتے ہین جو جائز ذرایع سے تاجرون کے ہاتھ مین آئے ہون - ان کے حصول مین جور و تشدد
و جبر و ستم کو دخل نہ ہو - جو مسلمان ماں باپ کی اولاد نہ ہون - بلکہ اصلی غلام صرف وہ ہین جو کافر دین کو
جہاد کرنے مین اسیر ہو کے اہل اسلام کے قبضہ مین آئے ہون - بخلاف اس کے جو لونڈی غلام دولت
عثمانیہ کے ممالک مین لائے جاتے ہین وہ اکثر قوم چرکس سے ہوتے ہین اور مسلمان ہوتے ہین -
خود شیخ الاسلام کو بھی ان لونڈی غلامون کے جائز کرنے مین غالباً دشواری پیش آتی ہو گی - مگر
ترک لوگ اس دشواری کو یون دور کر دیتے ہین کہ بردہ فروشون سے اس قسم کے سوالات ہی نہین
کرتے کہ ان لونڈیون یا غلامون کو تم کہان سے لائے اور کیونکر لائے - ان کا مقولہ ہے
کہ "گناہ انھین کے سر جائے گا جو اس کے مرتکب ہوتے ہین - ہمین ان جھگڑون مین
پڑنے کی کیا ضرورت ہے ؟"

گو دول یورپ کی پیروی مین اب باب عالی نے بھی بردہ فروشی کے بازار قسطنطنیہ
مین بند کرا دیے ہین - اور باضابطہ طریقے پر لونڈی غلامون کی بیع و شری ناجائز قرار دے
دی گئی ہے لیکن اگر لونڈیون کی بیع و شری کو دیکھا جائے تو ہنوز ملک مین کوئی ممتاز
فرق نہین پیدا ہوا ہے - اور وجہ یہ ہے کہ لونڈیان ترکون کی اخلاقی معاشرت کا ایک ضروری
عنصر بنی ہوئی ہین - اگر ان کی فراہمی کا انسداد ہو تو گویا حرم رکھنے ہی کا انسداد ہو جائے
اور یہ ایک اتنا بڑا اخلاقی انقلاب ہے جس کے لیے ترک ابھی تیار نہین ہین - سرکاری ممانعت
کی وجہ سے لونڈیون کی مانگ کسی طرح کم ہونے کو نہین آتی - ممانعت کا نتیجہ صرف یہ ہوا ہے
کہ بردہ فروشی کی تجارت مین دشواریان پیدا ہو گئی ہین - اور جو لونڈی غلام فروخت کے
لیے لائے جاتے ہین ان پر زیادہ مظالم ہونے لگے -

جو تاجر کہ افریقہ سے لونڈی غلامون کی کھیپین لاتے ہین وہ مجبور ہوتے ہین
کہ اپنے جہازون کو سواحل کے ان راستون سے بچاتے ہوئے لائین جن مین جہازون
اور سیاحون کی زیادہ آمد و رفت ہوتی رہتی ہے - تاکہ دول یورپ کے گشت کرنے
والے جہازون کی گرفت سے باہر رہین - اور جب تک غیرون کی آنکھ بچانے کا
کا موقع نہ ملے سمندر کے درمیان مین ادھر ادھر سواحل سے دور ہی منڈلاتے رہین -
نتیجہ یہ کہ ان جہاز رانون کی مصیبتین ایک کی جگہ دس گنی ہو جاتی ہین - گرجستان کی لڑکیان
جو حقیقت خود اپنی رضامندی سے آتی ہین وہ بجائے اس کے کہ اگلے زمانے کی طرح

تھوڑی سی زحمتون کے بعد منزل مقصود کو پہونچ جاتی ہین اب موسم سرما کے تین وسطی مہینون جبکہ روسی قلعہ اِشن جہاز واپس بلا لیے جاتے ہین پر طوفان بحر اسود کے قطع کرنے پر مجبور ہوتی ہین جن چھوٹے چھوٹے بد نصیب جہازون پر لڑکے روانہ ہوتی ہین اُن مین سے اکثر کا پتہ بھی نہ لگا کہ کیا ہوئے اور کہان گئے - اور جو بان برہو کے کنارے سلامت پہونچے اُن کی سرگذشت بھی دردناک ہے - قطع نظر اس کے لطف یہ ہے کہ بردہ فروش جتنے لونڈی غلام اگلے دنون فریقین اگرچہ ان سے ... روانہ کیا کرتے تھے اب اُس کے چوگنے پہنچ گئے بھیجے جاتے ہین ... راستہ مین ضائع ہو جانے کے بعد بھی لونڈیون کی مانگ پوری ہو سکیں - اہل دول یورپ کی جانب سے اگرچہ بردہ فروشی کی بیخ کنی کی کوشش کی جاتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ لونڈی غلامون کے راستہ مین سخت دشواریان پیدا ہوگئین بلکہ یہ بھی ہے کہ جتنے لوگ پہلے لونڈی غلام بنانے کے لیے گرفتار کیے جاتے تھے اب اُن سے کہین زیادہ گرفتار کیے جاتے ہین ---

یہ لونڈی غلام ساحل پر اترتے ہی مختلف بردہ فروشون کے گھرون مین بھیج دیے جاتے ہین اور جیسے ہی سفر کی ماندگی اور تکالیف کا اثر زائل ہوے اُن کے چہرون پر بحالی آتی ہے خواہ محلسراے سلطانی مین یا دیگر امرا کے گھرون مین داخل ہو جاتے ہین - سلطان کا محل ہمیشہ انھین عورتون سے بھرا ہوا ہے جو اصل مین لونڈیان تھین - اور کہا جاتا ہے اس گئی حالت مین بھی جبکہ سلطان عبد الحمید خان خلد اللہ ملکہ اس سلسلہ کے مٹانے کے درپے ہین اُن کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے - جس پر ہر سال تازہ وارد پرستارون کے داخل ہونے سے تھوڑا بہت اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے اب ہم عام ترکون کی معاشرت سے پہلے حرم سلطانی کی کیفیت بیان کرتے ہین - لیکن محلون کے اندر جانے سے پہلے بہتر ہوگا کہ سلطانی قصرون و ایوانون کی کچھ اجمالی کیفیت بیان کر دی جائے ---

دار السلطنت استنبول کے پاس اُس کے قرب وجوار مین دریاے باسفورس کے کنارے اور نیز ملک کے اندرونی حصہ مین کچھ اوپر بیس شاہنشاہی نزہت گاہین ہین جن مین سراے محل - محلی - اور کوشک سب طرح کے مکانات ہین - جدید ایوانون مین سے تین بہت ہی زیادہ بارونق اور شاندار ہین - ایوان چراغان - ایوان دولمہ باغچہ - اور ایوان بیگلربے -- دولمہ باغچہ سلطان عبد المجید خان مرحوم نے تعمیر کرایا تھا دریاے باسفورس کے کنارے قائم ہے

جو خانم افندی کہلاتی ہین ۔ اُن سے مراد سلطان المعظم کے چھوٹے صاحبزادون اور کمسن شاہزادیون
کی مائین ہین ۔ یہ سب تو ملکہ اور بادشاہ بیگم تھین ۔ اِن کے بعد شاہزادیون کا مرتبہ ہے جو
وہان سلطانہ کے محترم لقب سے یاد کی جاتی ہین ۔ پھر حرم کی وہ عورتین ہین جو اقبال کہلاتی
ہین ۔ اور اُن کے بعد گوزدہ یعنی وہ لونڈیان جن کو سلطان المعظم نے کبھی نظر التفات
سے دیکھ لیا ہے ۔

یہان تک تو محلات عالیات بیگمات عفت آیات اور شاہزادیان تھین ۔ اب
اُن کے حوالی موالی اور وابستگان دامن ہین ۔ بجز اُن عورتون کے جو گوزدہ کہلاتی ہین
اور تمام مذکورہ خاتونون مین سے ہر ایک کا ایک گروہ ملازمین ہوتا ہے جو یہان کی اصطلاح
مین "دائرہ" کہلاتا ہے ۔ یعنی اُن خواتین مین سے ہر ایک کو اپنی ذاتی مصارف کے لیے ایک
ماہوار رقم ملتی ہے حسب ضرورت کرے جو ایک سلسلہ مین ہوتے ہین اپنے کو دیے جاتے
ہین ۔ اور لونڈیون اور خواجہ سراؤن کا ایک گروہ اُس کے زیر اختیار اور اُس سے وابستہ
ہوتا ہے ۔

والدہ سلطانہ کی دربار کی معزز عہدہ دار بارہ خاتونین ہوتی ہین ۔ جن مین سے
ایک خزانہ دار اوستا کہلاتی ہے اور خزانچی کی خدمت وہی سرانجام دیتی ہے ۔ ایک پرائیوٹ
سکرٹری یعنی معتمد منشی ہوتی ہے ۔ ایک خبر بردار ہوتی ہے جس کے قبضہ مین والدہ سلطانہ
کی مُہر رہتی ہے ۔ ایک داروغہ توشہ خانہ ۔ ایک داروغہ آبدار خانہ ۔ ایک کافی خانہ
کی مہتممہ ۔ ایک شربت پلانے کی ذمہ دار ۔ ایک معلمہ دینی یعنی دینی امور مین مشورہ
دینے اور نماز روزے کی تعلیم دلانے والی ۔ اور یونہین چند اور عورتین ہوتی ہین ۔ یہ تمام
عورتین جو امور خانہ داری کا اہتمام کرتی ہین "کلفہ" کہلاتی ہین ۔ اور اُن مین سے
ہر ایک اپنے ماتحت ایک مددگار اور چھ یا اِس سے زیادہ اپنے ڈھنگ کام کی تعلیم پانے
والی لڑکیان رکھتی ہے ۔ اور یہ لڑکیان بھی کلفہ ہی کے لقب سے یاد کی جاتی ہین
اور جس کی ماتحتی مین کام کرتی ہین اُسی کی طرف منسوب ہوتی ہین ۔

دیگر خاتونان حرم سلطانی کے دائرے بھی اسی قسم کے ہوتے ہین مگر فرق اتنا
ہے کہ اُن کے مرتبہ اور اُن کی عزت کی کمی بیشی کے مطابق دائرے والیون کی تعداد
بھی کم یا زیادہ ہوا کرتی ہے ۔

حرم سرائے سلطانی کے مذکورۂ بالا انتظام پر اجمالی نظر ڈالنے کے بعد اب یہ دیکھنا چاہیے کہ کوئی لونڈی محل مین داخل ہونے کے بعد کیونکر رہتی کیسی زندگی بسر کرتی اور کس طرح ترقی کرتے کرتے تخت و تاج شاہی تک جا پہونچتی ہے —

عام قاعدہ ہے کہ محل کے لیے بہت ہی کمسن لونڈیان مول لی جاتی ہین — تاکہ جو کام اُن سے لیے جائین گے اُن کی بخوبی تعلیم پا سکین اور جس رتبہ پر پہونچ کے انھین زندگی بسر کرنا ہے اُس کی پوری قابلیت اُن مین پیدا ہو جائے — ان کمسن لڑکیون کا ایک عام گروہ ہے اور وہ عجمیہ یعنی زبان کی اصطلاح مین گنوارین کہلاتی ہین — اُن مین سے حبشنین اور دوسری قومون کی لڑکیان جو حسن و جمال کے زیور سے خالی ہین ادنے طبقہ کی "کلفہ" عورتون کی زیر نگرانی اور اُن کے شاگردون مین دے دی جاتی ہین تاکہ اُنھین ماما ‌گیری خدمت حمامون اور دھوبن وغیرہ کے کامون کی تعلیم دی جائے —

لیکن جو لڑکیان حسین و نازنین ہین اور جن سے ترقی کرنے اور بڑا مرتبہ حاصل کرنے کی اُمید کی جا سکتی ہے اُن کو محنت و مشقت کے کامون کی تعلیم سے واسطہ نہین اُنھین ناز آفرینی — دلربایانہ چال ڈھال — اور ناچنے گانے بجانے کی تعلیم ہوتی ہے — اُن مین طرح طرح کے ناز و انداز پیدا کیے جاتے ہین — نشست و برخاست کے آداب سکھائے جاتے ہین — اور وہ باتین اُن کو سکھائی جاتی ہین جن کی بدولت اُن کے حسن و جمال سے اور زیادہ دلربائی و دلبری کی شان نمودار ہو اور انھین عقائد شریعت اسلامیہ اور نماز پنجگانہ کی بھی تعلیم دی جاتی ہے — وہ لڑکیان جو اس لیے تیار کی جاتی ہین کہ معتمدی و منشی گری یعنی خواجہ خاتون کا کام سر انجام دین اور حساب و کتاب کی خدمت بجا لائین اُنھین لکھنے پڑھنے کی تعلیم ہوتی ہے تاکہ ہر تحریر کو بے تکلف پڑھ لین اور اچھی عبارت لکھ سکین — غرض اس قسم کی درس گاہین حرم سرائے سلطانی مین قائم رہا کرتی ہین — اور تمام خاتونون کے دائرون مین جہان کوئی جگہ خالی ہوئی انھین تعلیم پانے والیون مین سے کوئی اُس جگہ پر مقرر کر دی جاتی ہے — یہ سب نازک بدن اور تربیت یافتہ لڑکیان زنانۂ سلطانی مین "علاقہ" کے لقب سے یاد کی جاتی ہین — اور اُن کے جابجا مقرر ہونے کا سلسلہ جاری رہتا ہے — غرض ان کے تیار کیے جانے کا ایسا سلسلہ جاری رہتا ہے کہ یہ بھی ہر صنف کے موقع پر تیار ملتی ہین —

لونڈی اپنے کنبہ اور خاندان سے ہمیشہ کے لیے چھوٹ کے یہان اُس کلفہ کی

منہ بولی بیٹی ہو جاتی ہے جو اُسے اپنے علاقہ کی خدمت کے لیے مول لیتی ہی - اور وہی کلفہ اُن
کی حاکم اور معلم بھی ہوتی ہے - ہر کلفہ کو اپنی زیر تربیت لڑکیون کی ظاہری خوبیون اور اُن کی قابلیت
پر ناز ہوتا ہے - اُن کی بھلائی اور فلاح کی بڑی ہوشیاری سے خواستگار رہتی ہے - اور اگر
اُس کی قسمت مین یہ ہوا کہ کسی کے ساتھ بیاہ دی جائے تو اپنی پوری قوت بھر کوشش کرتی ہی کہ اس
کے لیے اچھا بر ڈھونڈھ نکالے - دونون لونڈیان کلفہ اور علائق یعنی حرم کی مان بیٹیان ہمیشہ ایک دوسرے
کی مدد و معاون رہتی ہین - اور جو محبت اُن دونون کے فیما بین پیدا ہو جاتی ہے وہ اس امر کا ثبوت
دیتی ہے کہ انسانی دل ہمدردی و محبت کا کس قدر بھوکا ہے - علائق اگر شادی ہو جانے کے بعد
کسی اور گھر اور گروہ مین چلی جاتی ہے تو وہان جانے کے بعد بھی وہ اپنی منہ بولی مان کے ساتھ ویسے ہی
تعلقات قائم رکھتی ہے - اور وہ منہ بولی مان ہمیشہ یکسان جوش دل سے اُس کی بہی خواہ و خیر اندیش رہتی ہے

مسلمانون اور عیسائیون مین امتیاز لباس

عام مسلمانون مین یہ بے بنیاد واقعہ کثرت سے مشہور ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
نے حکم دیا تھا کہ نصارا چھوٹے دامنون کے کپڑے پہنین اور گھوڑون کی دُمین کٹوا ڈالین -
حالانکہ جہان تک کتب تواریخ کا تتبع کیا جائے خلافت راشدہ کے پر امن و عدل عہد مین کسی
ایسی تفریق کا ہرگز پتہ نہین لگتا - گھوڑون کی دُمین کاٹنے کا ایک عجیب واقعہ صحابہ ہی کے آخر
دور مین ہندوستان کی سرحد پر پیش آیا جسے علامہ بلاذری نے فتوح البلدان مین بیان کیا -
یعنی حملہ آور عربون نے حریف کے چند سوارون کے گھوڑون کی دُمین کٹی ہوئی دیکھین - روشن
خیالی اور وسیع النظری اُن دنون مسلمانون مین اسقدر بڑھی ہوئی تھی کہ اس وضع کو سب لوگون نے
پسند کیا - اور کہا "ہم لوگ اِن لوگون سے زیادہ اِس بات کے مستحق ہین کہ اپنے گھوڑون
کی دُمین کاٹ دین" یا تو اُنھین مسلمانون کا یہ مذاق تھا کہ دشمنون اور مخالفون کی ہر اچھی اور
مفید بات کے اخذ کرنے کو تیار رہتے تھے - اور یا یہ زمانہ ہے کہ ادنےٰ ادنےٰ معاشرتی امور
پر "من تشبہ بقوم فھو منھم" کا اصول پیش کر کے کفر و الحاد کا فتویٰ دے دیا جاتا ہی -

رہا لباس کا فرق - اِس بارے مین قرون اُولیٰ کی کوئی ایسی شہادت ہمارے
پاس نہین موجود ہے جس سے یہود و نصارا اور مسلمانون کے وضع و لباس کی تفریق کے
متعلق اسلامی حکومت کا کوئی خاص حکم ثابت کیا جا سکے - ہان مصر کے خلفا نے بنی فاطمہ

جائین اور اُن کا مال و اسباب مسلمانون کو دے دیا جائے ۔ اور چونکہ بیت المقدس بھی اُس کی قلمرو مین شامل تھا اس لیے حکم دیا کہ وہان کا عظیم الشان کنیسۃ القمامہ ڈھا دیا جائے ۔ پھر حکم ہوا کہ خبردار کوئی شخص علم نجوم سے تعلق نہ رکھے ۔ اور جتنے نجومی ہون سب اُس کی قلمرو سے نکال دیے جائین ۔ پھر حکم ہوا کہ جتنے گویّے ہین سب خارج البلد کر دیے جائین ۔ اس کے بعد بمصداق مادہ بر ضعیف می ریزد حکم ہوا کہ خبردار عورتین چاہے دن ہو یا رات اپنے گھرون کی دہلیز سے باہر قدم نہ نکالین ۔ اور جس قسم کی جوتیان پہن کے عورتین آمد رفت کیا کرتی تھین اُن کے بنانے کی موچیون کو قطعی ممانعت کر دی گئی ۔ عورتین مصر مین اور تمام ممالک اسلامیہ مین ہمیشہ سے باہر آمد رفت کرتی ہین ۔ اور اپنے دوستون اور عزیزون کے گھرون مین ملنے جلنے کو عموماً پیدل جایا کرتی ہین ۔ مگر اس حکم کی بدولت سات برس تک وہ گھرون مین قید رہین اور کسی عورت کی مجال نہ تھی کہ گھر سے باہر نکلے یہان تک کہ سات برس بعد اُس کے جانشین الظاہر نے اُنھین اُن کی پرانی آزادی دی ۔ پھر اس کے بعد یکایک عیسائیون کے حال پر مہربانی ہوئی اور حکم جاری ہوا کہ اُن کے جتنے معبد اور کنیسے مفقود سے کیے تھے سرکاری روپیہ سے پھر تعمیر کرا دیے جائین ۔ اور اُن کا جو مال لوٹا گیا تھا وہ لوگون سے چھین کے پھر اُن کے حوالے کیا جائے ۔

غرض یہ تھے وہ احکام جن کے سلسلہ مین ایک بار تفریق لباس کا حکم بھی جاری ہو گیا تھا ۔ لیکن اس کو اسلام کا کوئی عمل خیال کرنا اگر مسلمانون کی بے وقوفی ہے جو اسے اپنا فخر و ناز سمجھ کے بیان کیا کرتے ہین تو اُن لوگون کی بھی بڑی بے وقوفی ہے جو اس کی بنیاد پر خلافت اسلامیہ کو تعصب کا الزام دیتے ہین ۔

اس الحاکم کی موت کا واقعہ بھی حیرت انگیز ہے ۔ اُس کا ایک عمدہ سفید گدھا تھا جس کا نام "قمر" رکھا گیا تھا ۔ ۲۰ شوال ۴۱۱ھ ہجری کو دوشنبہ کی رات تھی کہ وہ اس گدھے پر سوار ہو کے سیر کو نکلا ۔ اور چونکہ تنہائی پسند کرتا تھا اس لیے ہمراہیون کو ساتھ آنے سے منع کیا ۔ مصر کی آبادی کے باہر رات بھر پھرتا رہا ۔ صبح کو حلوان کا رُخ کیا جو دارالسلطنت سے ۵ میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹا شہر تھا جس کی نزہت گاہین نہایت ہی دلکش و روح افزا تھین ۔ اسوقت دو سوار ہمراہ رکاب تھے ۔ ایک ایک کر کے اُن دونون کو بھی رخصت کر دیا ۔ اور آگے کی راہ لی ۔ بس اسوقت سے پھر اُس کا پتہ نہ چلا کہ کیا ہوا اور کہان گیا ۔ زمین کھا گئی یا آسمان ؟ ماہ شوال کی ۳۰ تک لوگ روز جلوس کا سامان اور سواری کے گھوڑے

لے کے شہر کے باہر نکلتے اور شام کو ناکام واپس آتے۔ آخر ۲۷ ذیقعدہ کو اُس کے غلاموں اور ترک سپاہیوں کا ایک گروہ اُس کی جستجو میں نکلا جب ڈھونڈھتے ہوئے پہاڑوں کے دروں میں گھسے تو اُس کی سواری کا گدھا قمر ملا۔ مگر اِس حالت میں کہ اُس کے چاروں پاؤں تلوار سے کٹے ہوئے تھے۔ مگر بدستور زین و چارجامہ اُس کی پیٹھ پر تھا۔ اِس سے آگے بڑھے تو ایک گدھے کے اور اُس کے آگے پیچھے دو پیدل آدمیوں کے نقش قدم نظر آئے۔ اُن کو دیکھتے ہوئے وہ سب ایک تالاب تک پہونچے جو حلوان کے مشرقی جانب تھا۔ تجسس کرنے والوں میں سے دو شخص پانی کے اندر اُترے تو اُس کا پوراشاہی لباس بھی مل گیا۔ جس میں سات جُبّے۔ اور پائجامہ بھی اِس وضع میں ملا کہ گویا کھول کے اُتارا نہیں گیا تھا۔ مگر یہ کپڑے جابجا چھریوں کی ضرب سے کٹے ہوئے نظر آئے۔ بہر تقدیر اُس کے کپڑے محل میں اُٹھا لائے گئے۔ اور سب کو یقین ہو گیا کہ وہ دشمنوں کے ہاتھ سے مار ڈالا گیا۔ اور بعض لوگوں کا خیال تھا کہ یہ خود اُس کی بہن کی سازش کا نتیجہ تھا۔ لیکن بہت سے ایسے بے وقوف بھی پیدا ہو گئے جو حلف اُٹھاتے تھے کہ الحاکم مرا نہیں صرف غائب ہو گیا ہے۔ اور اِس غیبت کے بعد عنقریب ظاہر ہو گا۔

گورِ غریبان

جانب گورِ غریبان جو ہوا میرا گذر
دل مغموم پہ عبرت کا ہوا کچھ جو اثر

دیکھا اک قبر کو پامال بحال ابتر
پوچھا اُس قبر کے نزدیک یہ بیٹھا کر

حال کیا ہی ترا اللہ کرے تجھ پہ کرم
قبر سے آئی صدا میری شریک ماتم

مجھ ستم کش کا فسانہ تو سُنا چاہے اگر
سُن میرے یار میں ہوں کشتۂ شمشیر نظر

دم نکلتا تھا مرا ایک ستم آرا پر
بُھنتا رہتا تھا تپ عشق میں میں آٹھ پہر

شدت درد جدائی سے تھا نالاں میں بھی
وادی عشق میں مجنون سا پریشاں میں بھی

زُلف پُرپیچ پہ اک حور کے میں تھا مائل
خنجر ناز سے دل میرا ہوا تھا گھائل

نقد دل کھونے میں پھرتا تھا مثال سائل
رات ہو جاتی جہاں تھی وہی منزل منزل

ہو کے دیوانہ میں جنگل میں گیا اور آیا
دل نہ گھر ہی میں لگا اور نہ صحرا بھایا

بسمل تیر نظر تھا دل بیمار مرا
مائل رشک قمر تھا دل بیمار مرا

زخمی و خستہ جگر تھا دل بیمار مرا
تختۂ مشق ستم مین کسی جلاد کا تھا

ترک اسلام کیا کفر سے تھا حلقہ بگوش
عشق کا جس گھڑی آتا تھا مرے دل مین جوش
پھاڑ کر جیب و گریبان مین نکل جاتا تھا

واعظون کو رہ میخانہ دکھائی مینے
شیخ کو دیر کی بھی راہ بتائی مینے
منزل عشق کا ہر اک کو نشان دیتا تھا

مکتب عشق کا دنیا مین بنا تھا استاد
عشق کی طرز کی ڈالی تھی نرالی بنیاد
راہ پر عشوہ گرونکو بھی مین لے آتا تھا

نالۂ نیم شبی سے مرے برپا تھا حشر
بد تر کیا کہیے کہ آفاق مین کیسا تھا حشر
ایک ہنگامہ بپا کرتا تھا مین چیخ کے آہ

نالے کرتا تھا تو افلاک کی لیتا تھا خبر
کس جلے دل کے ہین اللہ رے نالونکے شرر
مختصر یہ کہ جہان تنگ رہا نالون سے

طعن کرتے تھے مجھے دیکھ کے سب پیر و جوان
اثر فصد ہوا کچھ نہ موثر درمان
چارہ سازون سے کی تدبیر بہت کچھ نہوا

طنز کی باتون سے ہر اک نے مرا دل توڑا
دوستون نے بھی بہت ہاتھون کو آکے جوڑا
وصل کی فکر تھی کچھ تھا نہ بزرگون کا خیال

جس پری کے خم گیسو مین پھنسا تھا جا کر
جس کی فرقت مین پٹکتا تھا مین دیوار پہ سر

دفتر یاس اثر تھا دل بیمار مرا
ہدف تیر نگہ بانی بیداد کا تھا

تار زنار بہت روز دن رہا زینت دوش
رہتی تھی اپنی خبر کچھ نہ دل و دین کا ہوش
جانب کوچۂ جانان مین نکل جاتا تھا

بت پرستی بھی برہمن سے چھڑائی مینے
ناصحون کو کیا الفت کا فدائی مینے
مفتی شرع کو ترغیب بتان دیتا تھا

سیکڑون عشق کے قانون کیے تھے ایجاد
سر بھی غم سے نہ تھا دو دن میرے آزاد
بات کی بات مین دل ہاتھ سے جاتا تھا

شور آہ سحری سے مرے پیدا تھا حشر
حشر اصلی سے کچھ افزون یہ غم افزا تھا حشر
عرش سے فرش تلک مانگتے تھے مجھ سے پناہ

ساکن عرش برین کہتے تھے باہم ذکر کر
خرمن صبر و سکون جل کے ہوئے خاکستر
حد ہوئی جمع بتان تنگ ہوا نالونسے

ساتھ ہر وقت مرے رہتا تھا جمع طفلان
نہ شفا پائی تھا ہر چند معالج لقمان
ناموافق رہی تقدیر بہت کچھ نہوا

ساتھ گو میرے عزیزون نے بھی میرا چھوڑا
لیک معشوق سے مینے نہ کبھی منہ موڑا
انکی باتون سے ہوا کرتا تھا دل و زندہ تھا

جس کی سودا مین کیا کرتا تھا صحرا مین بسر
جس کی الفت مین مجھے موت کی شکل آئی نظر

فاتحہ سے نہ کیا خوش مجھے اسکے افسوس

ہائے الفت میں ہوا جس کی جہان میں برباد
روز و شب رہتی تھی جسکے رخ و گیسو کی یاد
قبر پہ پھول بھی اسنے نہ چڑھایا افسوس

جسنے تو جان دی الفت میں نگرو پر فن
کچھ خبر ہی نہیں عاشق کا ہوا خاک بدن
قبر پر آنے میں مانع ہے نزاکت اب بھی

دلفریبوں سے یہ کہنا تو مسافر للہ
ہیں یہ وہ لوگ نہیں کرتے کسی سے جو نباہ
دو قدم چلکے مزار دل بسمل دیکھیں

مہوشوں سے بھی یہ کہنا تو مسافر جاکر
مقبروں پر تو کبھی جا کے ذرا ڈالو نظر
اب ستم یاد کہاں حال ہے انکا بدحال

جا کے عبرت کدۂ خلق خدا دیکھ آؤ
آخر الامر ملی کیا ہے جزا دیکھ آؤ
منظر گور غریباں ہے مقام عبرت

ایکہ داری بدل آتش غم عشق بتان
ایکہ داری بسر اندوہ خیال خوبان
آنکہ در زیست نہ پرسید چہ پرسد پس مرگ

قبر پر بھی مری آیا نہ وہ کمدن افسوس

سہتا تھا روز نئے جس کے ہزاروں بیداد
عشق میں جس نے کیا کنج لحد کو آباد
آسکے سب بہر زیارت وہ نہ آیا افسوس

اب بھی اترائے ہوئے پھرتا ہے بدلا نہ چلن
نہیں معلوم ہے یہ بھی کہ ہے کس جا مدفن
ہے وہی طرز جفا ہے وہی عادت اب بھی

عشق خوبان ہے فقط مفت کا بے لطف گناہ
جو رہے ان کے ہیں عشاق کے احوال تباہ
کھولیں عبرت کی نظر عشق کی منزل دیکھیں

بے خبر سنگدلو دھیان تمہارا ہے کدھر
کتنے گلرو ہیں تہ خاک بحال ابتر
طرز بیداد کہاں فکر ہے کیا ہوگا مآل

حسرت و یاس سے کیا حال ہوا دیکھ آؤ
نخوت و کبر کا انجام ہے کیا دیکھ آؤ
بیکسی ہے کہیں نالان کہیں گریاں حسرت

ایکہ داری طلب وصل حسینان جہان
عبرتے گیر ز طرز رہ و رسم بدرزمان
ازعنایت نہ گیے دید چہ پرسید پس مرگ

راقم - بدرالزمان

لوسی گرے

منشی بدرالزمان صاحب کی مندرجۂ بالا نظم کا لطف اٹھانے کے بعد ناظرین اُن کی اس دوسری معجز نمائی کو بھی ملاحظہ فرمائیں - اس میں اُنھوں نے ورڈس ورتھ کی مشہور انگریزی نظم لوسی گرے کا ترجمہ کیا ہے - اور سچ یہ ہے کہ سخن

منجی وقادر الکلامی کی داد دی ہے -

بارہا لوسی گرے کا تذکرہ میں نے سنا
وکے سپٹتے وقت اکثر اتفاق ایسا ہوا
لوسی کیا جانے کہ کیسی ہوتی ہیں بھولیاں
ایسی مہر و مہ جبین رشک پری رشک بتان
جو کوی پھرتے غزال دشت میں اب تک یہان
شکل وہ پیاری مگر لوسی گرے کی اب کہان
آج کی شب برف کا طوفان ہوگا بالضرور
لالٹین اک لیکے نکلو گھر سے دخت باشعور
اے پدر بیٹک لاؤں گی بجا میں شوق سے
اور کلیسا کی گھڑی میں دیکھیے دو ہین بجے
کہکے یہ اک ہک کے لینے کو چھجا اسکا پدر
ہوگیا مصروف اپنے کام میں وہ تو ادھر
آہوان دشت کو ایسی خوشی کب ہے بھلا
برف کا بورا سا اسکی خوشخرامی سے اڑا
آگیا طوفان قبل از وقت اسکی راہ میں
جستجوے راہ میں حیران تھی لوسی راہ میں
وان تلاش دختر ذی عقل میں وہ رات بھر
لیک کانون نے سنا نے چشم کو آئی نظر
اک پہاڑی پر یہ ترسکے ہی ہوئے جا کر کھڑے
ایک پل لکڑی کا دیکھا پھر انھون نے سامنے
خوب روئے پھوٹ کر پھر جانب در دیکھکر
واقعی وان اُس کی مان کو یک بیک آیا نظر
کوہ ناہموار سے اب تو اُترنے یہ لگے
ٹوٹی پھوٹی جھاڑیوں کے درمیان ہوتے ہوئے

جب ہوا صحرا سے جانا میرا ہنگام سحر
لڑکی اک تنہا کھڑی آئی مجھے بس جا نظر
اُس کا اک صحراے وحشت میں واقع تھا گھر
جسکے گھر سے جلوہ افگن کون ہے ایسا بشر
دوڑتے پھرتے ہیں ان خرگوش بیک کہاں مگر
ہے یہ ممکن تا قیامت پھر کبھی ہو جلوہ گر
شہر کی جانب چلی جاؤ ہوا حکم پدر
تاکہ مادر برف میں ہو روشنی سے بہرہ ور
دیکھیے اب تک ڈھلی بھی تو نہیں ہے دوپہر
سامنے وہ چاند سا بھی آرہا ہے کچھ نظر
لکڑیوں کا گٹھا اُس نے کاٹ ڈالا سر بسر
لالٹین اک ہاتھ میں لوسی نے لی اپنے ادھر
چوکڑی بھرتے جو پھرتے ہیں ہمیشہ کوہ پر
جس طرح اڑتا ہوا تم کو دھوان آے نظر
کوہ پر چلکر لگی کھانے ادھر سے وہ اُدھر
شہر کی جانب نہ پہونچی ہائے یہ بچی مگر
چیختے پھرتے رہے مظلوم مادر اور پدر
ایسی شے جو اُس جگہ اُن کے لیے ہو راہبر
نیچے کی دلدل جہان سے صاف آتی تھی نظر
فاصلہ اُس کا تھا اُنکے در سے اک فرلنگ بھر
یون کہا بیٹی ملینگے خلد میں تجھ سے مگر
پیاری لوسی کے قدم کے کچھ نشان تھے برف پر
پاؤن اپنے رکھلے اُسکے ننھے ننھے قدمون پر
اور کرتے قطع اک لمبی سی دیوار حجر

کر چکے طے اک کھلے میدان کو سینہ فگار
اُن نشانون پر چلے بڈھے نہ رہ مین نیمہار
برف سے ساحل سے دونون جا پہنچے تھی یگان
جبکہ پہونچے ٹھیک اُس لکڑی کے پل کی درمیان
ہے گمان بعضون کا اب تک یہ کہ لوسی آج تک
جا و سو سے دشت دیکھو اُسکے عارض کی جھلک
رہ ہو ناہموار یا ہموار ہے محو خرام
نغمہ لین گاتی رہتی ہے تنہائی مین و صبح و شام

ویسے ہی اب تک نشان قدمون کے آتے تھے نظر
پہونچے پھر لکڑی کے پل پر آہ وہ خستہ جگر
صاف تھا نقش قدم ہر اک نمایان سربسر
پھر نشان مطلق نہ آ گے اور کچھ آیا نظر
ہے بقید زیست وہ غیرت دہ شمس و قمر
ماہ پیکر لوسی کو تم دیکھنا چاہو اگر
پشت کی جانب نہین وہ دیکھتی ہے گھوم کر
جو ہوا مین ملکے پیدا کرتی مین دیر اثر

سلسلۂ مشاہیر اسلام

قومی مفاخر اور اگلے بزرگون کے فضائل بیان کرنا اُس قوم کے لیے زیبا ہوتا ہے جس مین وہ اگلی خوبیان تھوڑی بہت باقی بھی ہون۔ لیکن اس اُصول کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو ہم ہرگز اس بات کے مجاز نہ ہون گے کہ اگلے بزرگون کے مقدس و متبرک نامون کو زبان پر لا کے ناپاک کرین۔ کیونکہ ہمارے منہ اُن برگزیدہ الفاظ کے قابل نہین۔ مگر یہ اُمید کہ شاید وہ مبارک نظرین ہمارے لیے رہنمائی و رہبری کا کام دین اور موجودہ مسلمانون کو اُنھین کے نقش قدم پر چلائین ہمین اپنے بزرگون کے حالات بیان کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔

چنانچہ دلگداز پریس نے اس بات کا اہتمام شروع کیا ہے کہ وہ معزز مشاہیر جن کے اسمائے گرامی اُردو و فارسی لٹریچر مین اکثر آیا کرتے ہین چاہے کسی گروہ اور کسی طبقے کے ہون اُن کے سوانح عمری جدا جدا کتابون اور رسالون کی حیثیت سے شائع کیے جائین جنمین سے یہ پہلی لائف حضرت جنید بغدادی کی شائع کی جاتی ہے۔ جس طرز پر تحقیق و جستجو کے ساتھ یہ کتاب لکھی گئی ہے اگر ایسی ہی کوشش جاری رہی تو امید ہے کہ اُردو زبان مین ایک اچھا اور مفید لٹریچر پیدا ہو جائے گا۔ ابو بکر شبلی کی لائف مرتب ہو چکی ہے جو اس کی اشاعت کے ساتھ ہی چھپنا بھی شروع ہو گئی۔ بایزید بسطامی۔ حسین بن منصور حلاج کے سوانح عمری زیر ترتیب ہین۔

بہت سے معزز اور قدردان احباب دردوسا نے عام اجازت دے دی ہے کہ اس سلسلے کی جو کتاب شائع ہو ایک ہفتہ پیشتر اطلاعی کارڈ بھیج کے اُن کی خدمت گرامی مین وی۔پی۔ بھیج دی جائے۔ مین نے اِس قسم کے فیاض قدردانان سخن کی ایک فہرست مرتب کرنا شروع کر دی ہے۔ اور یہ فہرست جسقدر بڑھتی جائیگی اُسی مقدار مین بہ کتابین سستی بھی ہوتی جائین گی۔ کیونکہ اگر ۵۰۰ قدردان مہیا جمع ہو جائین تو اسی تنقید بغدادی کے حجم وحیثیت کی کتاب فی جلد ۸ کے حساب سے دی جا سکے گی۔ اور اگر اُن کی تعداد ایک ہزار کو پہونچ جائے تو فی جلد ۶ کے حساب سے۔

ابوبکر شبلی کی لائف جو چھپ رہی ہے اور عنقریب شائع ہوگی اس پہلی کتاب سے زیادہ مکمل ہے۔ گو ابھی اُس کی قیمت اور اُس کا حجم نہین بتایا جا سکتا مگر ہم اتنا اطمینان دلا سکتے ہین کہ اُس کی قیمت بھی ایک روپیہ سے زیادہ نہ ہوگی۔ جن لوگون نے اپنے معزز نام اس فہرست مین درج کرائے ہین اپنے احباب کے نام بھی براہ کرم درج کرائین۔ تاکہ ہم زیادہ مستعدی سے اس سلسلہ کو جاری کرین اور جلد جلد کتابین شائع ہوتی رہین کم از کم ہر دو مہینے مین تو ایک کتاب نکل جایا کرے۔

خاکسار — منیجر دلگداز

حضرات ناظرین

کاتب کے تغیر کی وجہ سے یہ پرچے دیر مین شائع ہوئے۔ اب انشاءاللہ انتظام سے پرچہ شائع ہوگا اور جنوری کا دلگداز ٹھیک اپنے وقت پر نکلے گا۔ جن حضرات کے حساب کا آغاز شروع سال سے ہوتا ہے۔ اُن کی خدمت مین جنوری کا پرچہ وی۔پی جانا چاہیے۔ مگر ہم انشاءاللہ فروری یا مارچ کا پرچہ وی۔پی بھیجین گے۔ کیونکہ اس تاخیر کی وجہ سے ہم اتنی جلد وی۔پی بھیجنے کے مستحق نہین ہین۔ ناول یوسف و نجمہ ختم ہو گیا۔ اور ایک نیا تاریخی اور تخیلی ناول جنوری ۱۹ء سے شروع ہوگا۔

الملتمس منیجر دلگداز

نمک مجید

(اکسیر کو سنا تھا اب آنکھون سے دیکھ لو)

آج کل بہت سے نمک نکل پڑے ہین مگر جو بات اس نمک مجید یہ مین ہے کسی مین نہین حاذق الملک حکیم محمد اجمل خان مرحوم اور انکے والد مغفور حکیم محمود خان کی سے کون نہین واقف ہے انکے اپنے کئی سو برس کے تجربات سے وہ آخر طبابت نہین مسیحائی کی شان دکھا دیا کرتے تھے کبھی ایک ماہ دس اعلاج کر دو دن مین شفا حاصل ہو جاتی تھی اور کبھی مدت سے ضعیف ناتوان مریض کو ایک ہی دن مین بلکہ دو ایک ہی دفعہ استعمال کرنے مین غیر معمولی درجے کی طاقت آجاتی تھی۔ انھین کے خاندانی مجربات مین سے یہ نمک مجید یہ بھی ہے جسے اگر اکسیر کہا جاے تو مضائقہ نہین۔ معدہ کے فعال پر اس کا ایسا مناسب معتدل اور اچھا اثر پڑتا ہے کہ استعمال کے ساتھ ہی معدہ اپنا صحیح کام کرنے لگتا ہے۔ وہ امراض جنکا تعلق براہ راست معدے سے ہے جیسے سو ہضم۔ قبض۔ اسہال۔ تخمہ سیفیہ یا متلی اور درد شکم وغیرہ انکے حق مین تو نمک مجید یہ پورا پورا اکسیر ہے اسی کی برکت سے کہ درد مفاصل۔ عرق النسا۔ درد زانو اور فیل یا دفتق کے لیے بھی مفید اور ہر قسم کے بادی دردوں کے حق مین تیر بہدف ثابت ہوا ہے اگر انڈے کی زردی مین ملاکے استعمال کیا جاے تو قوت باہ کو بہت زیادہ بڑھا دیتا ہے۔ اکثر لوگون نے التزام کر لیا کہ اسکی ایک شیشی ہمیشہ گھر مین موجود رہے کیونکہ ان تمام شکایتون کو جو فوری طور پر اٹھ کھڑی ہوتی اور انسان کو بیتاب کر دیتی ہین استعمال کے ساتھ ہی دور کر دیتا ہے۔ ایک آنے کا ٹکٹ وصول ہونے پر ہم بطور نمونہ ایک پڑیا بھیجدیتے ہین۔ ہر جگہ استعمال شیشی کے ہمراہ روانہ کیا جاتا ہے۔

غلزئی روغن مُو افزا

حضرات ایک مدت کی محنت جانفشانی اور تجربے کے بعد ہمنے نہایت سریع الاثر اور مفید دوا کی ترکیب سے یہ بہار روغن مُو افزا تیار کیا ہے۔ یہ روغن مشہور معروف ڈاکٹرون کی مجوزہ مقوی دماغ ادویہ کو ترکیب دیکر بنایا گیا ہے۔ لہذا درد خشکی دماغ۔ کمزوری دماغ۔ نسیان وغیرہ وغیرہ موذی امراض کے دفع کرنے مین اعجازہ کا کام دیتا ہے۔ نیند خوب آتی ہے۔ فرحت اور جلد سر کے سنے (لقوا) دور کرنے مین اکسیر ہے۔ دماغ مین خشکی پہونچانا۔ آنکھون کو طراوت دینا۔ بالون کو خوبصورت کرنا۔ اسکا ادنی کام ہے۔

جو لوگ بالون کا شوق رکھتے ہین اور بالون کی خوشنمائی سے لطف اٹھانا چاہتے ہین انکو ہمارا مرکب روغن مُو افزا استعمال کرنا چاہیے۔ بالون کی مضبوطی۔ انکی درازی ملائمت۔ اور حفاظت کے واسطے غلزئی روغن مُو افزا کا استعمال ضروری ہے۔ دماغی محنت مین یا دہ مصروف رہنے والے اطبا اور علم دوست حضرات کے واسطے اکسیر مثل روغن ایک اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ اس امر کے ثبوت مین کہ ہمارا مرکب روغن مُو افزا مین مندرجہ بالا خوبیان موجود ہین بہت سے سرٹیفکٹ ہمارے پاس ہین جنمین سے سابق سول سرجن صاحب لکھنؤ۔ نواب بہادر سید امیر حسین صاحب سی۔ آئی۔ ای۔ سابق پریسیڈنسی مجسٹریٹ کلکتہ۔ حکیم حافظ محمد عبدالولی صاحب لکھنؤ۔ ہیرالال صاحب اسسٹنٹ سرجن پرنسپل سانٹرو انسٹیٹیوشن آف اناٹومی کلکتہ میڈیکل کالج۔ صلاح الدین خدابخش خان صاحب ایم۔ اے۔ بیرسٹرایٹ لا کلکتہ۔ بابو ایم۔ ایم۔ چٹرجی اسسٹنٹ سرجن منلع بیا ملاحظہ کے قابل ہین۔ قیمت فی شیشی صرف عہ ہے۔

کیا جاتا ہے۔ اشیاء مذکورہ مندرجہ ذیل کارخانون سے بھی مل سکتی ہین

(۱) کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ چوک۔ (۲) ارتضیٰ خان عطر کی ٹکیان کے موجد اور مالک کارخانہ سپول اودھ لکھنؤ سہرتی منڈی (۳) کارخانہ منشی محمد مصطفیٰ خان صاحب تاجر عطر قنوج

تفصیل قیمت۔ شیشی خورد ایک اونس والی ۳ ر شیشی دو اونس والی ۶ ر شیشی چار اونس والی ۱۰ ر شیشی کلان ایک پونڈ عہ ۲

المشتہر۔ امیر محمد خان غلزئی تاجر عطر نمبر ۱۲۳ لور چیت پور روڈ کلکتہ

ترکان آل عثمان

کلفہ سے عموماً وہ پرستارین مراد ہین جن کو یہ عزت نہین حاصل ہوئی کہ سلطان کا خیال کبھی اُن کی طرف مائل ہوا ہو۔ مگر محض قدامت کی وجہ سے اُنھون نے رفعت حاصل کر لی ہے۔ اُن کی عمرون مین بڑا تفاوت ہے۔ بعض نوعمر ہین اور بعض بوڑھی ہو گئین۔ نوعمرون مین سے بعض شادی کی بھی امید کر سکتی ہین۔ لیکن عام کلفہ عورتین اپنی حالت پر راضی ہین۔ اور اُسی زندگی سے خوش ہین جس کی وہ عادی ہو گئی ہین۔ اور اپنی کلفہ اور تربیت دینے والی سے بے انتہا مانوس ہین۔ صرف اُسی ترقی کو ترقی خیال کرتی ہین جو حرم سراے سلطانی کے اندر ہو۔ یہی پُرانی حرم والیان محل کی تمام کہاوتون اور رسمون کی پُرجوش نگہداشت کرنے والیان ہین۔ اِن رسمون اور حرم کے طور طریق کی پابندی وہ نہایت ہی تعصب کے ساتھ کرتی ہین۔ اور صدیون سے یون ہی چلا آتا ہے کہ یہ عورتین اپنی جانشینون کو اِن رسمون اور روایتون کا محافظ بنا کے چھوڑ جاتی ہین۔ منجملہ اُن کے فرائض کے ایک یہ ہے کہ اپنی بی بی کی چیزون کی حفاظت کرین جو مختلف خانگی محکمون مین بٹی ہوئی ہین اور نگرانی کرتی رہین کہ اُن کی خدمتین بخوبی بجا لائی جاتی ہین۔ نوجوان لڑکیون کو خریدین اور سکھا کے سلیقہ شعار بنائین مثلاً وہ کلفہ جو قہوہ جی ہے اِس بات کی ذمہ دار ہے کہ اپنی بی بی کی قہوہ پینے کی پیالیون کی پوری حفاظت کرے۔ جن مین سے بعض نہایت قیمتی میناکار اور مرصع ہوتی ہین۔ بُن اچھی طرح بھونے پیسے اور اُبالے جائین۔ اور نہایت عمدہ کافی تیار رہے۔ اور محل خانے کے خاص قواعد و آداب سلطانہ اور اُن کے مہمانون کے سامنے پیش کی جائے۔

سلطان المعظم کے لیے حرمین اور چاہتی معشوقہ نازنینین اگرچہ اُن منتخب پری وشون مین سے چُنی جاتی ہین جن کو والدہ سلطانہ - خاص خاص معززین سلطنت - یا رعایا "قندیل" کی تقریب کے موقع پر بطور نذرانہ کے سالانہ پیش کیا کرتے ہین لیکن حرم خلافت کی ہر پرستار عام اس سے کہ وہ کیسی ہی ذلیل اور کیسے ذلیل مرتبہ کی ہو اس عزت کی آرزو مند ہو سکتی ہے - مثلاً سلطان عبدالعزیز مرحوم کی والدہ حرم سلطانی کے ادنے طبقہ والیون مین سے تھین - اور کہتے ہین کہ جب انھون نے اُن کے والد سلطان محمود خان ثانی کے دل پر فتح پائی ہے محل خانہ کا کوئی بہت ذلیل کام کرتی تھین - یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان والدہ سلطانہ یا کسی اور سلطانہ سے ملنے کا ارادہ رکھتے ہین اُس خاتون کے دائرے مین ایک کھلبلی سی پڑ جاتی ہے - سلطان المعظم کو پورے آداب سے ہاتھون ہاتھ لینے اور اُن کا استقبال کرنے کے لیے دائرے کی ہر لونڈی اپنا سب سے اچھا اور بھڑکیلے والا لباس پہنتی اور اپنے بناؤ سنوار کرنے مین یہان تک بن پڑتا ہے کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھتی تاکہ اُس کا اقبال سلطان کی دلربائی مین کوتاہی نہ کرے اب سلطان تشریف لاتے ہین اور خزانہ دار اُستا اُنھین دیوان خانے کے کمرے مین لا کے مسند یا شاہی کرسی پر بٹھاتی ہے - اسلیے کہ ان تقریبون کے موقعون پر یہ کام اُسی معزز خاتون کا ہوتا ہے جو خزانے کی داروغہ ہوتی ہے اور "خزانہ دار اُستا" کہلاتی ہے - اب قہوہ شربت - اور شطلب ہر ہر محکمہ کی کلفہ کے اہتمام سے پیش ہونا شروع ہوتے ہین اور برابر تھوڑے تھوڑے وقفہ سے علائق کے ہاتھون پیش کیے جاتے ہین - ان علائق مین سے اگر کوئی سلطان کو بھلی معلوم ہوئی تو وہ سلطانہ سے اُس کے متعلق اتفاقی سوال کر دیتے ہین - اور ساتھ ہی سلطانہ اشارے کے ذریعے سے اُسے حکم دیتی ہے کہ قریب آ کے مسند کا کونہ یا کرسی کا پایہ چوم لے - اس وقت سے یہ خوش نصیب لڑکی اپنی بی بی کی خدمت گزاری چھوڑ دیتی ہے اور "گوئزدہ" کا رتبہ حاصل کر کے رہنے کو ایک جداگانہ محل سرا پاتی ہے - اس کے بعد اگر سلطان نے کسی اور موقع پر بھی اُسے نظر عنایت سے دیکھا تو اُسے "اقبال" کا رتبہ حاصل ہو جاتا ہے - ورنہ وہی گوئزدہ بنی رہتی ہے - "اقبال" ہونے کے بعد اگر اُس کے بطن سے کوئی اولاد پیدا ہو گئی عام اس سے کہ وہ شاہزادہ ہو یا شاہزادی تو اُس کا رتبہ اور بڑھتا ہے اور "خانم افندی" کہی جاتی ہے - اور اگر خوش نصیبی سے اس سے بھی زیادہ ترقی ہوئی تو "قادن افندی" بن جاتی ہے -

قریبی تعلقات کے بعد اگر کوئی گزرده سلطان المعظم کی مورد عنایت نہ رہی یا سلطان کا دل اُس کی صحبت سے پھر گیا تو خزانہ دار اُدستا کو سلطان حکم دیتے ہین کہ وہ سامنے سے شادی جائے - اِس حکم کے نافذ ہوتے ہی ممکن ہے کہ ایک بھاری عروسی جوڑا اور زیور نیز اُس محل کے سامان و اسباب کے جس مین وہ رہتی تھی اُس کے حوالے کیا جائے اور اُسی عرضو بیگی یا باب عالی کے کسی عہدہ دار کے عقد نکاح مین دے دی جائے - اور اگر یہ برتاؤ کسی ایسی پرستار کے ساتھ کیا گیا جو "اقبال" کا رتبہ رکھتی ہو تو اُسے تھوڑا سا وظیفہ بھی ملتا ہے اور اُس کا نام سول لسٹ مین درج ہو جاتا ہے - یہ وظائف اکثر دیئے بھی سبے قاعدگی سے جاتے ہین اور بعض اوقات چند ہی سال کے بعد بند بھی ہو جاتے ہین -

لیڈی ہارٹ کہتی ہین کہ اس قسم کی ایک ترک خاتون سے مجھے ملنے کا اتفاق ہوا - سلطان عبد العزیز خان مرحوم نے اُسکی محل کے خاص حجام کے ساتھ شادی کر دی تھی و اُس حجام کے مرنے پر وہ ایک بڑی جائداد کی مالک ہوئی - وہ سلطان مرحوم کا ذکر نہایت محبت اور عزت کے الفاظ مین کرتی تھی - اور اُس کا خیال تھا کہ اُنھون نے خود کشی کی - اور اِس واقعہ کے متعلق بہت سی باتون کے جاننے کا دعوی کرتی تھی مگر کہتی تھی کہ مختلف قوی اسباب سے مین اُن کو ظاہر نہین کر سکتی جب اس راز کے کھلنے کا وقت آئے گا تو سب باتین عالم آشکارا ہو جائینگی " یہ کہہ کے اُس کی آنکھون سے آنسو جاری ہو گئے اور کئی بار بیتابی سے چلا اُٹھی " امان ! امان ! "

اوپر بیان ہو چکا کہ جو سلطانہ قادن افندی کے لقب سے یاد کی جاتی ہین اُن کا شمار چار ہے - مگر چونکہ عموماً اور خاصتہً حرم سرا مین سلطان کی مرضی ہی قانون ہے اس لیے ممکن ہے کہ سلطان المعظم اپنی خوشی سے پانچ یا چھ خاتونون کو قادن افندی کا خطاب عطا فرما دین - گو کہ سلطان اور اُن کی مدخولہ خاتونون مین کوئی باقاعدہ عقد نکاح نہین ہوتا لیکن یہ تعلق جو قائم ہو جاتا ہے مرتے دم تک منقطع نہین ہو سکتا - کسی سلطان کے انتقال کے بعد اُس کی بیبیان مجبور ہین کہ عمر بھر بیوگی کی زندگی بسر کرین - آل عثمان کی تاریخ مین صرف ایک سلطان نے اپنی رعایا مین سے ایک عورت کے ساتھ باقاعدہ نکاح کیا اور پھر معمولی طریقہ سے طلاق دے کے اُسے آزادی دے دی - جس سلطان نے اِس طریقہ سے اپنے آبائی رسوم سے بے پروائی کی سلطان عبد المجید خان تھے - خدیو مصر

محمد علی پاشا کی بہو جو مصری خانم یعنی خاتون مصر کے معزز لقب سے یاد کی جاتی تھیں اُن کی بیحد خوبصورت حبشی بیٹی پر سلطان مذکور کا دل آگیا تھا - اس پری جمال لڑکی کا نام بسمی تھا - اور گو اصل مین وہ بھی ایک لونڈی ہی تھی مگر آزاد کر کے بیٹی اور شاہزادی بنا لی گئی تھی - چنانچہ اسی وجہ سے وہ بغیر نکاح کے حرم خلافت مین داخل نہ ہو سکتی تھی اُس موقع پر شاہی منگنی اور عروسی ایسی دھوم دھام اور شان و شوکت سے ہوئی تھی جو اسی مستغنی شاہی برات کے لیے موزون تھی -

بسمی سلطانہ حرم سرائے سلطانی مین ایسے تیسی قادن افندی کہلائین - اور تھوڑے زمانہ تک سلطان کی محبوبہ خاص بن کے حکومت کرتی رہین - شاہنشاہی خزانہ کے سب سے زیادہ قیمتی جواہرات لا کے اُن کی گود مین ڈال دیے گئے - اور وہ جس قسم کا سامان عیش چاہتین مہیا تھا - لیکن یہ مسرت زیادہ زمانے تک نہین قائم رہی - حرم سرائے سلطانی سازشون کا گھر ہے - اور ہر سلطانہ اور ہر اقبال سازشون کا ایک جداگانہ مرکز بنی ہوئی ہے - بسمی سلطانہ جو ایک نہایت ہی معزز خاتون کی لاڈلی تھی یقیناً محل سلطانی کی رقابتون اور عداوتون کے میدان مین گوے سبقت نہین لیجا سکتی تھی - اور اسی کے طرز عمل نے غالباً اُس کی رقیب خاتونون کو مخالفت کا موقع دیا - جن مین سب سے زیادہ سربرآوردہ پانچوین قادن افندی سرو ناز سلطانہ تھی جس پر غالب آکے اُسنے سلطان کا دل اپنے ہاتھ مین لیا تھا - سرو ناز سلطانہ کے دعوون کے مقابلہ مین بسمی سلطانہ کی طرف سے جب نازآفرینی کی ضد ظاہر ہوئی تو اُن دونون کی عداوت روز بروز بڑھتی ہی گئی - اور آخر اُن جھگڑون کا تصفیہ سلطان نے یون کیا کہ بسمی سلطانہ کو طلاق دے دی - اور گو وہ نازون کی پلی ہوئی تھی مگر اُسے حرم سرا کے اندر سے نکالتے ہی جلاوطن کر کے بردسہ مین بھیج دیا - چند روز کے بعد سلطان کو پھر اُس کی یاد آئی - اور وہ دوبارہ مورد عنایت بنی - مگر وہی امر جس کی بنیا دیرہ وہ غریب سادہ لوح پہلے نکالی گئی تھی پھر نکالی گئی - اور اب کی اپنی نکلی کہ پھر سلطان کی صورت دیکھنا نصیب نہ ہوا -

حرم مین شاہزادیون کا مرتبہ اُن کی اُن ماؤن کے بعد ہے جو قادن افندی کہلاتی ہین - لیکن شاہزادیان چونکہ پندرہ سولہ برس کی عمر کو پہونچتے ہی محل سلطانی سے چلی جاتی

ع ۵ - بعض مورخین کا بیان ہے کہ سلطان سلیمان عالیشان نے بھی روزی لانا نام ایک روسی خاتون سے جو لونڈی کی حیثیت سے اُس کے حرم مین داخل ہوئی تھی اور خرم کے لقب سے یاد کی جاتی تھی باقاعدہ نکاح کیا تھا - ایسی مکمل نکاح کے لیے ضرور ہے کہ وہ آزاد بھی کر دی گئی ہو -

ہین لہذا اس تکمیل مین وہ زیادہ حصہ نہین لیتین - جو تعلیم انھین دی جاتی ہے عموماً غیر مسلسل
و غیر منضبط ہوتی ہے اور اُن کے عادات و اطوار نہایت ہی بگڑے ہوئے ہوتے ہین
۔۔۔ کہ کلفہ اور علائق جو ہر وقت انھین گھیرے رہتی ہین وہ اس کوشش مین
رہتی ہین کہ انھین ابھی سے اپنے اوپر مہربان بنا لین - اُن کی ہر خواہش کہنے سے پہلے پوری
ہو جاتی ہے - اور جہان تک امکان مین ہوتا ہے اُن کا ہر ناز اُٹھایا جاتا ہے - اپنی خوجہ
خاتون یعنی استانی سے جو تعلیم ملتی ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ کچھ لکھ پڑھ لیتی ہین - بانسری
اور باجا بجاتی ہین - اور سوئی سے کچھ گل بوٹے بنا لیتی ہین - جب وہ پندرہ سولہ برس
کے سن کو پہونچتی ہین انھین شاہانہ جہیز کے ساتھ ایک نہایت ہی قیمتی اور بھاری عروسی جوڑا
دیا جاتا ہے - ہر ایک کو ایک قصر ملتا ہے - اور کسی وزیر یا دوسرے معزز عہدہ دار کے ساتھ
جس پر حضور سلطان کی مہربانی ہو بیاہ دی جاتی ہین - جب کوئی شاہزادی بیاہی جاتی
ہے تو اپنی تمام لونڈیون کو جو اُس کے دائرے سے علاقہ رکھتی ہین اپنے ہمراہ لے جاتی
ہے - اور اُن کے علاوہ اور لونڈیان بھی خود سلطان یا والدہ سلطانہ رخصتی کے وقت
اُسے عطا کرتی ہین - اپنے نئے گھر مین جا کے شاہزادی وہی حرم سلطانی کے آداب و
قوانین اور رسوم و رواج جاری کرتی ہے جن کی کہ وہ بچپن سے عادی ہو رہی ہے -
سلطان کی شاہزادیون کو بلحاظ اُن کے رتبہ کے اپنے شوہرون پر فوقیت حاصل رہتی ہے
اور بہت سی باتین جن کی عام عورتین پابند ہین اُن سے وہ آپ کو مستثنیٰ خیال کرتی ہین -
اس کا نتیجہ یہ ہے کہ شاذ و نادر ہی انھین سسرال والون مین مقبولیت یا اُن بدنصیبون
کی جن سے وہ عطا ہوئی ہین محبت نصیب ہوتی ہے - وجہ یہ کہ عام طور پر وہ خود رائے اور
نہایت فضول خرچ ہوتی ہین - اُن کے مزاج مین بے رحمی ہوتی ہے - اور بعض اوقات
اُن سے سخت ظالمانہ افعال سرزد ہو جاتے ہین - اس مین شک نہین کہ بعض شاہزادیان
ان باتون سے مستثنیٰ بھی گزری ہین جن کے ملازمین اور وابستگان دامن بھی آج تک انھین
محبت سے یاد کرتے ہین اور اُن کے معزز طبقہ کے احباب بھی اُن کو بھلائی سے یاد کرتے
ہین -

جب کوئی نیا سلطان تخت نشین ہوتا ہے تو مرحوم سلطان کے حرم کی بہت سی خاتونین
مع اپنے مخصوص وابستگان دامن کے کسی پرانے اور زیادہ خاموش قصر مین بھیج دی جاتی

ہین تاکہ نئے سلطان کی حرمون کے لیے جگہ خالی کرین - اُس کی مان بخلاف اور سب کے والدہ سلطانہ کا اعلےٰ مرتبہ حاصل کرتی ہے - اور فوراً شہنشاہی معرکہ سے آراستہ ہو جاتی ہے - نیا سلطان اُن تمام لوگون سے جو اُس کے حرم مین داخل ہون بیبیون سے لگا کے ادنے ادنے پیش خدمتون تک سب سے اِس امر پر حلف لیتا ہے کہ سب اُس کی مان کی تابع فرمان برداری کرین گی - اب اسوقت سے سلطان کی والدہ کا لقب صرف "نقاب دار سرون کی تاج" ہوتا ہے - یہ ایسا ضروری لقب ہے کہ اُن کے مواجہے مین پہنچنے کے لیے ضرور ہے کہ اُس کی پیشانی پر یہ القاب لکھا ہوا ہو - کوئی شخص جسے بھی یہ اُن کی باریابی کی عزت نہین حاصل ہو چکی ہے اُن کے سامنے نہ جا سکتی ہے اور نہ بیٹھ سکتی ہے - سب لوگ اُن کے سامنے نہایت ہی تعظیم سے دست بستہ کھڑے رہتے ہین - اور اُن کے ہر سوال کے جواب مین جو الفاظ زبان سے نکالین لازم ہے کہ اُن کے ساتھ اعلےٰ درجہ کے تعظیمی الفاظ اور خاصتہً یہ الفاظ کہ "خاتون" ضرور ملا لیے جائین - عثمانی دربار کے آداب مین یہ بھی داخل ہے کہ جو شخص دربار مین آئے پورے لباس کے عوض سادہ گھر مین پہننے کے لباس مین آئے - خود سلطان کی جاہتی محبوبہ بھی چاہے کیسا ہی سردی کا موسم ہو اتنی مجال نہین کہ اپنی معظمہ ساس کے سامنے اوپر کی قبا پہن کے آ سکے -

سلطان المعظم کی والدہ محترمہ کی یہ قدر و منزلت حرم سرائے سلطانی کی چار دیواری ہی کے اندر نہین جب کبھی وہ سیر کو باہر نکلتی ہین یا گاڑی پر سوار ہوا کھانے جاتی ہین تب بھی ایک شاہانہ جلوس ہمراہ رکاب ہوتا ہے - فوجی سپاہی جیسے ہی وہ سامنے سے گزرتی ہین سلامی دیتے ہین - اور غریب جو راستہ مین مل جاتا ہے زمین پر جھک کے عرض کرتا ہے کہ "اپنے شہنشاہ زمان فرزند سے ہماری سفارش فرمائیے" - اگر کبھی وہ وزیر اعظم یا دیگر وزرا کو کسی امر مین لکھتی ہین تو اُس عہدہ دار کا فرض ہے کہ والدہ سلطانہ کے قاصد کا استقبال اپنے کمرے کے دروازے تک آ کے کرے - حد سے زیادہ اظہار تعظیم کے ساتھ خط کو اُس کے ہاتھ سے لے - ہاتھ مین لیتے ہی اُسے پہلے پیشانی سے لگائے پھر بوسہ دے -

حرم سرا کے اندر پورا اختیار والدہ سلطانہ کا ہے جس مین کوئی چون بھی نہین

کرسکتا۔ اور حرم سرا کی رہنے والیان۔ عام اس سے کہ وہ قادِن ہون سلطانہ ہون یا
اقبال ہون بغیر والدہ سلطانہ کی اجازت کے اپنے رہنے کے مکان سے قدم باہر نہین نکال
سکتین۔ اور نہ سلطان المعظم کے ملاحظہ مین بلا توسط اُن کے کوئی درخواست پیش کرسکتی
ہین۔ خاتونانِ حرم مین سے اگر کوئی خرید و فروخت کے لیے بازار یا سیر مین جانا چاہے
یا تبدیل آب و ہوا کے لیے کسی شاہنشاہی کوشک مین جانے کا قصد کرے تو ضرور ہے
کہ اس مضمون کی ایک درخواست "اکلیل رئیس ذوات المنقاب" سے ملاحظہ مین پیش کرے
اور اُنھیں اختیار ہے کہ مناسب معلوم ہو تو منظور کرین یا جی چاہے نامنظور کردین۔
بہر تقدیر ان بڑے بھاری اقتدارات سے لازمی طور پر والدہ سلطانہ کے ذمہ بڑی بڑی
دشواریان عائد کردی ہین اور ایسے فرایض پیدا کر دیے ہین جن کا انجام دینا دشوار ہے۔
ان کامون مین والدہ سلطانہ کو اپنی اوّل درجہ کی مہتممہ خزانہ سے بڑی مدد ملتی ہے جو
خزانہ دار اُستا کے لقب سے یاد کی جاتی ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ یہ معزز خاتون عملاً بہ لحاظ
اختیارات والدہ سلطانہ کے بعد دوسرے درجہ پر ہے۔ یہ عموماً ایک خاص عمر کی
عورت ہوا کرتی ہے جس کا نشو و نما والدہ سلطانہ کے دائرے مین ہوتا ہے۔ اور
اس کو قدامت کے ساتھ مدّت دراز کی خدمت گزاری اس اعلیٰ درجہ کے عہدے پر پہونچا
دیا کرتی ہے۔ حرم کی اعلیٰ مہتممہ ہونے کی وجہ سے اُسے اُن تمام اُمور کا اختیار حاصل ہوتا
ہے جنھین والدہ سلطانہ اپنے ہاتھ مین رکھنا نہین پسند کرتین۔ اور اگر اتفاقاً والدہ
سلطانہ کا سلطان سے پہلے ہی انتقال ہوجائے تو یہی خزانہ دار اُستا اُن کی جانشین
ہوتی ہے اور اُسے اُنھین کا رتبہ اور اُنھین کے سے اقتدارات حاصل ہوجاتے ہین اور
حرم سرا کے سوا عموماً معاملاتِ ملکی پر بھی اُس کا اثر پڑنے لگتا ہے۔

ترکی وزرا اس اندیشہ سے کہ شاہنشاہی دربار پر اثر پڑے گا یہ کوشش کرتے
ہین کہ سلطان کی منکوحہ بی بی کوئی نہو اور جتنی ہون سب لونڈیان ہی لونڈیان ہون اور
اس واقعہ کی طرف توجہ نہین کرتے کہ سلطان آخر انسان ہین لہذا ضرور ہے کہ کسی عورت
کا اُن پر اثر پڑے۔ اور وہ عورت ممکن ہے کہ اُن کی طبیعت پر قابو حاصل کرے۔ کہتے
ہین کہ "چار قوانین تمدّن" جو مشہور وزیر محمد کپرلی نے اپنے بستر مرگ پر لیٹے لیٹے نوعمر سلطان
محمد رابع کو سنائے تھے اُن مین سے ایک یہ بھی تھا کہ "عورت کے مشورے پر ہرگز عمل

نہ کرنا"۔ لیکن یہ بھی نہ بھولنا چاہیے جو کہا جاتا ہے کہ جو وزیر کیپرلی اعظم اِس رتبۂ عالی پر پہونچے
مین والدہ سلطانہ ترخان کا زیر بار احسان تھا۔ اور اُسکا بیٹا جو اُس کی جگہ وزیر اعظم
مقرر ہوا اُسے مذکورہ بالا نوعمر سلطان کے عہد مین جو اختیارات حاصل ہوئے وہ بھی
محض محمد رابع کی ایک چہیتی محبوبہ کے طفیل مین سے تھے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ترکون کی تاریخ مین جیسے جیسے کام حرم سرا سے
سلطانی کی عورتون نے کیے ہین وہ تھوڑی اہمیت نہین رکھتے۔ سلطانہ صفیہ جو "بفا" کی اطالی
تھی اور شہر وینس کی اسیر شدہ لونڈی تھی اپنے نااہل شوہر سلطان مراد ثالث کے
تقریباً بیس سال کے عہد مین نظم و نسق سلطنت پر بہت اچھا اثر ڈالتی رہی۔ اور اپنے
بیٹے محمد ثالث کے دربار اور مجلس شوری پر عموماً حکمران تھی۔ سلطان مصطفےٰ خان اول کی
ماں بیٹے کے نام سے خود پوری حکومت کرتی تھی۔ اور جب مراد خان رابع دس برس کی
عمر مین مالک تاج و تخت ہوا تو اُس کی ماں والدہ سلطانہ ماہ پیکر جو ایک یونانی اصل کی
تھی نظم و نسق سلطنت کی ذمہ دار قرار پائی خوش قسمتی سے وہ ایک نہایت ہی صاحب
لیاقت و جرأت عورت تھی اور ان دونون ماں بیٹون کو اپنے عہد مین بڑے بڑے
جھگڑون اور معاملون کا حد سے زیادہ مقابلہ کرنا پڑا۔ وینس کا ایک سفیر اُس ملکہ سے
ملا تھا جبکہ ملکہ کی عمر تقریباً ۴۵ برس کی تھی۔ وہ بیان کرتا ہے کہ یہ ملکہ پاکدامن عقلمند
ذہین۔ اور فیاض تھی دینداری کے کامون کو پسند کرتی تھی۔ اور غریبون کو بلا لحاظ اس
کے کہ وہ کون ہین خیرات دیا کرتی تھی۔

حرم والون کے ذکر مین سلطان کی رضاعی ماں اور اُس کے بیٹے یعنی سلطان کے
رضاعی بھائی کا ذکر بھی ضروری ہے بشرطیکہ کوئی رضاعی ماں ہو۔ شاہزادون کی دودھ
پلائی ہمیشہ کوئی گرجن ہوا کرتی ہے جس کا شوہر اُسے اس خدمت پر مقرر کراکے خود دولت
و وجاہت حاصل کرتا ہے۔ اس دودھ پلائی کا بیٹا ترکی زبان مین شاہزادے کا "سُٹ
قرداشی" یعنی دودھ شریک بھائی کہلاتا ہے۔ وہ شاہزادے کے ساتھ کھیلتا اور اُس
کا مستقل مصاحب ہوتا ہے۔ یہ رضاعی بھائی چونکہ ساتھ کھیل کے بڑے ہوتے ہین لہذا کبھی
ایک دوسرے سے جدا نہین ہوتے اور جب شاہزادہ مالک تخت و سریر ہوتا ہے تو اُس
کے اُس بچپن کے رفیق کا نصیبہ کھل جاتا ہے۔ ایسی ہی عنایت رضاعی بہن کے حال

پڑھتی ہے - اور وہ زندگی بھر اپنے صاحب تاج و تخت رضاعی بھائی پر شیدا
رہتی ہے - اور یہ بھائی کسی بڑے معزز شخص کے ساتھ اُس کا نکاح کر دیتا ہے سلطان
عبد المجید خان مرحوم کی رضاعی بہن ناہر خانم ایک مستقل طبیعت کی عورت تھی سلطان
پر بڑا اثر رکھتی تھی - تقریباً پچاس سال کا زمانہ گزرا جب کہ وہ ترکی معزز بیگمون
کی بڑی رنگین بنی ہوئی تھی - عام معمول کے خلاف اُس نے ایک دوسرے کے
بعد دو شوہرون کو چھوڑ دیا جن کی دادرسی نہ ہوئی اور ناہر خانم نے محکمہ بحری کے
ایک بڑے افسر سے تیسری شادی کر کے اُسی کے ساتھ نباہ دی - اور پھر ساری
اقلیم مین اُس کے چال چلن کے متعلق خبرین اُڑنا موقوف ہوگئ

رضاعی مان کی بڑی لیاقت "تائیا قادن" کے لقب سے یاد کی جاتی ہے حرم مین بڑی عزت
[illegible] ہوتی ہے - اور اکثر اوقات سلطان پر اُس کا اتنا اثر ہوتا ہے جتنا والدہ
سلطانہ کے اثر سے کم نہین کہا جا سکتا - چونکہ یہ عورتین ایک ادنی درجے سے یکایک ترقی
کر جاتی ہین لہذا یہ کوئی تعجب کی بات نہین کہ اُن مین کم ایسی ہوتی ہین جو اپنی قوت
و قیمت کو عقلمندی کے ساتھ عمل مین لائین - اکثر تو سلطان عبد العزیز خان مرحوم کی رضاعی
مان کی طرح اپنی طمع اور تعدی کے لحاظ سے مشہور ہوئی ہین - عبد العزیز خان کی رضاعی
مان کا اثر حرم سرائے سلطانی پر اس قدر بڑھ گیا تھا کہ گورنر جنرلون کی برطرفی و بحالی
اور دیگر اہم معاملات بالکل اُسی کے ہاتھ مین تھے - [illegible] پاشا جو ایک زمانے مین
سوڈان کے گورنر جنرل تھے اُن کے عروج کا اصلی سبب یہی تھا کہ سلطان عبد الحمید خان
خلد اللہ ملکہ کی رضاعی مان کی قرابت دارون مین تھے - بہت تھوڑی لیاقت ہونے
کے باعث انھون نے ایک بیرونی عورت سے شادی کر لی جسے حرم سلطانی سے کوئی
تعلق نہ تھا - اور اُس عورت نے مقامی عہدہ دارون کی بیگمون کی وضع مین ایسا
رنگ دیا کہ آخر سب نے اُس سے ملنے جلنے سے انکار کر دیا -

حرم والیان کسی بیرونی شخص کے عقد نکاح مین نہ دی گئی ہون تو بھی جیسا کہ عموماً
خیال کیا جاتا ہے زندگی بھر کے لیے ایوان شہنشاہی کے حصار مین قید نہین ہین - اُن کی
دلچسپیان زیادہ تر سلطان محل کے باہر ہی ہوتی ہین - ہر ملک کی وضعدار خاتونون کی طرح
یہان بھی سلطانہ اور اقبال دونون کے خاص اشغال بننا سنورنا - گاڑی پر سوار ہو

سے ہوا کھانا اور ادھر اُدھر کی سیر کرنا ہوا کرتے ہین۔ اول الذکر یعنے جو سلطانہ ہونے کی عزت رکھتی ہین اُن کو یہ کام بھی رہتے ہین کہ اپنے ملازمین کا انتظام اور اپنے بچوّن کی خبرگیری کرین۔ مگر اُن کی خانگی زندگی مین بھی سیر و تفریح کا شوق ضرور ہوتا ہے لیکن جس چیز مین وہ ہر وقت منہمک رہتی ہین وہ سازش اور جوڑ توڑ ہے۔ یہ ایسی چیز ہے جس مین حرم کی کوئی عورت نہین جو تھوڑی بہت مشغول نہ ہو۔ خواہ خود اپنے لیے۔ یا اپنی ملکہ اور مربیہ کے لیے۔ ہر قادن افندی اور ہر اقبال ایک چھوٹے دربار کا مرکز بنی رہتی ہے۔ جس کی غرضین اور آرزوئین اُسی قسم کے دوسرے درباروں کے مخالف ہوتی ہین۔ ہر بیٹے کی مان اعلیٰ ترین قوت کی آرزومند ہوتی ہے اس لیے کہ دولت عثمانیہ کے قانون ولی عہدی کی رو سے ہر شاہزادہ کو اپنی اپنی باری تخت نشینی کا موقع مل سکتا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جتنی عورتین اُس کے گرد و پیش ہوتی ہین اُس کی تخت نشینی ہی کو اپنی زندگی کی اصلی غرض قرار دے دیتی ہین۔ اور شب و روز اُس کے اغراض کے مطابق کوشش کرتی رہتی ہین۔ چونکہ سلطان اعظم "شیر شیران" کے لقب سے یاد کیے جاتے ہین لہذا ہر چھوٹے شاہزادے کو اُس کی مان اور اُس سے علاقہ رکھنے والیان "ارسلانم" کے خطاب سے یاد کرتی ہین یعنے اُسے میرا شیر کہہ کے پکارتی ہین اور اُس کا سارا دربار اُس کی غلامی کرتا رہتا ہے۔ جس سلطانہ کے بطن سے بجائے اولاد نرینہ کے کوئی شاہزادی پیدا ہوئی ہے اُس کی زندگی کی سب سے بڑی غرض یہ ہوتی ہے کہ سلطنت کے سب سے بڑے رکن کے ساتھ اُس کا نکاح کرے۔

دوسری طرف جو خانم اقبال کا درجہ رکھتی ہین وہ اپنی حیثیت قائم رکھنے کے لیے جو ہمیشہ ناپائدار حالت مین رہتی ہے سازش کو کم ضروری نہین سمجھتین۔ نتیجہ یہ ہے کہ محل کے اندر جتنے دربار ہین اُتنی ہی پارٹیان ہین۔ جن مین سے ہر ایک کا ایک مرکز ہوتا ہے اور اُس کی شاخین محل سے باہر تک پھیلی رہتی ہین۔ کیونکہ حکمران سلطان کے بھائی اور نیز اُن کی مائین ہمیشہ اپنے طرفدارون کی جستجو مین رہتی ہین۔ اُن کے مقابل والدہ سلطانہ اپنے صاحب تاج و تخت بیٹے کے منافع کی نگہداشت مین تھوڑی سرگرمی سے مصروف نہین رہتی ہین۔

یہ غیر منتہی سلسلے مع اپنی تمام غیر معمولی پیچیدگیوں کے محل کی صاحب اثر خاتونوں کو ایک خاص دماغی مشقت میں مصروف رکھتے ہیں۔ یہ گوشہ نشین کبھی اولیاء اللہ کے مزاروں پر لیجائی جاتی ہیں۔ اور کبھی درویشوں کی خانقاہوں میں۔ اور اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے خیرات کی جاتی ہے۔ ہر خاتون کسی نہ کسی شیخ کی یا کسی نہ کسی زیارت گاہ کی معتقد ہوتی ہے جہاں وہ وقتاً فوقتاً تحفے تحائف یا نقد نذرانہ بھیجا کرتی ہے۔

حرم والیوں کی نسبت اسقدر دلچسپی کی خبر سلطان کی طبیعت اور اُن کا مذاق ہی جن کے شوق کا پتہ ابتدا ہی میں چل جاتا ہے۔ سلطان عبد المجید خان کے عہد میں تھیٹر کا رواج ہوا اس غرض کے لیے ایوان دولمہ باغچہ میں ایک چھوٹا سا خوبصورت تھیٹر بنایا گیا۔ اور انھیں کھیلوں کا بہت شوق فی الحال سلطان عبد الحمید خان خلد اللہ ملکہ کو بھی ہے۔ جن کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے پلاٹوں کا خاکہ خود ہی بنا کے دیتے ہیں تاکہ وہ اسٹیج پر دکھائے جائیں۔ سلطان عبد المجید خان مرحوم نے ایک نیا ناچ بھی مع اُس کے لطیف عجیب سازوں کے ایجاد کیا تھا۔ جو حرم سرا کی لڑکیوں کو سکھایا گیا تھا۔ اُس ناچ کے معلموں میں ایک مشہور مغنی ڈونی زٹی کا بھائی تھا۔ ترکی تھیٹر کی مستقل کمپنی اور نیز فرانسیسی تھیٹر جو وقتاً فوقتاً دار السلطنت دولت عثمانیہ قسطنطنیہ کا دورہ کیا کرتا ہے کبھی کبھی بُلا لیے جاتے ہیں کہ سلطان المعظم کے سامنے اپنا ہنر دکھائیں۔ اور اُن کے محل کی خاتونوں کو بھی اُس کے دیکھنے کی عموماً اجازت دی جاتی ہے جو سنہری چلمنوں کے پیچھے آ کے بیٹھتی ہیں۔ اسی طرح بازی گروں۔ اور قسطنطنیہ کے مداریوں کو جو وہاں قرہ گوز کہلاتے ہیں۔ شعبدہ بازوں کٹھ پتلی کے ناچ کا تماشا دکھانے والوں اور دیگر تماشہ گروں کو بھی یہ عزت حاصل ہوتی ہے۔

عُشّاقِ سخن

جذبات انسانی کا سب سے بڑا مظہر عشق ہے۔ لہذا عشق و محبت کے جوش سے کام

سے کے شاعر جیسے بیتابانہ جذبات ظاہر کر جاتا ہے اور کسی طرح نہیں ظاہر کر سکتا۔ عشق کی دنیا میں اُس کی بیتابیاں اُس کی ازخود رفتگیاں اُس کا جوش و خروش اور اُس کا شور و شیون بلا کا ہوتا ہے۔ اسی سبب سے ہر زبان کے شعرا نے عشق کو اپنی طبع آزمائی اور زور طبیعت دکھانے کا مرکز بنا لیا ہے۔

لیکن تعجب کی یہ بات ہے کہ شاعری کے عاشق و معشوق اکثر زبانوں میں بدل جاتے ہیں۔ ہمارے سامنے ایشائی شاعری کے تین گروہ موجود ہیں عرب ایرانی اور ہندوستان یعنی ہندی کے شعرا۔ عرب چونکہ اپنی اصلی اور فطری حالت پر تھے اور اُن کی سرزمین بقول مولانا حالی کے "خدائی زمین بن جتی سربسر تھی" اس لیے اُن کے شعرا نے وہی سامنے کا رُخ اختیار کیا۔ یعنی مرد عاشق ہے اور عورت معشوقہ۔ اس کے خلاف ہندوستان کے ہندی شعرا نے عورت کو عاشق قرار دیا اور مرد کو معشوق۔ لیکن ان دونوں ملکوں کے درمیان میں ایران کا ملک تھا جو سچ یہ ہے کہ اسلام سے پہلے ہی شرقی تمدن و تہذیب کا مرکز تھا اور بعد اسلام بھی بنا رہا یہاں کی شاعری نے بھی اس قدر ترقی کی تھی جو کسی اور زبان کی شاعری کو کم نصیب ہو سکتی ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ ایران کی شاعری میں مرد ہی عاشق اور ایک نوخیز و امرد مرد ہی معشوق قرار دیا گیا۔

اس موقع پر ہم اس بات پر غور کرنا چاہتے ہیں کہ باوجود ایک دوسرے کے پڑوس میں آباد ہونے کے ان ملکوں کے شعرا میں یہ اختلاف کیوں پیدا ہوا ہمیں عربوں کے مذاق پر زیادہ غور کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہاں کے عاشق و معشوق فطرت کے موافق ہیں۔ قدرت ہی نے مرد کو عاشق اور عورت کو معشوق بنایا ہے۔ گو جذبات محبت دونوں دلوں میں ہوتے ہیں اور غالباً یکساں ہیں لیکن پھر بھی مرد کی طرف سے اصرار اور عورت کی جانب سے انکار ہوتا ہے۔ یہی نہیں عورت بالطبع چاہتی ہے کہ مرد کی طرف سے بیتابانہ اظہار شوق ہو اور مرد بھی طبیعت سے پسند کرتا ہے کہ عورت کی زبان سے "نہیں" نکلے۔ اگر اس میں شبہ ہو کہ نسوانیت کا مقتضائے طبعی کیا ہے تو انسان کو چھوڑ کے تمام جانوروں پر نظر ڈالو وہاں بھی تمہیں عشق و محبت کی یہی شان نظر آئے گی کہ نر کی طرف سے اظہار محبت

اور مادہ کی طرف سے انکار اور رکاوٹ کے بعد اقبال ہوتا ہے۔

لیکن جب فطرت کا یہ کھلا تقاضا تھا۔ اور حسن و عشق کے یہ کرشمے صاف نظر آتے تھے تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ شعرائے ہندوستان نے اس کے خلاف عورت کو عاشق اور مرد کو معشوق قرار دیا؟ حالانکہ اصلی شاعر مرد ہی ہیں۔ اگر شاعرہ عورتوں کی کثرت ہوتی تو بھی کہا جا سکتا تھا کہ مرد شعرا نے عورتوں کے مذاق کا تتبع کیا۔ جس طرح کہ اردو شعر کہنے والی عورتیں غزل کو لیکے ریختی میں بیان کرتی ہیں۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ شہوت پرستی کا ایک عجیب کرشمہ ہے کہ مرد عورت کو خود اس کی زبان سے اپنا عاشق بنا کے اپنا جی خوش کرتا ہے اور اس سے بیتابانہ کلمات سن سن کے محظوظ ہوتا ہے۔ لیکن ہم اسے ہندی شعرا کی متانت و قادرالکلامی کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ہمارا خیال یہ ہے ہندوستان کی عورت بالطبع زیادہ وفادار اور اپنے شوہر کے نام پر جان فدا کرنے والی پیدا کی گئی ہے۔

علاوہ بریں شعرائے ہند نے اس امر کا بھی لحاظ کیا کہ جتنے سچے جذبات عشق عورت کے مرد کی نسبت ہو سکتے ہیں مرد کے عورت کی جانب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ مرد اکثر متعدد بیبیاں رکھتا ہے۔ اور ان پر بھی کفایت کرنے والے مرد کم ہوتے ہیں۔ لہذا ممکن نہیں کہ مرد کے کل جذبات شوق کا مرکز صرف ایک عورت قرار پا جائے۔ برخلاف اس کے عورت صرف ایک شوہر کے نام سے جیتی ہے۔ اس کی ساری دنیا اکیلے ایک شوہر کے دم سے وابستہ ہوتی ہے۔ خصوص ہندوستان کی عورت جو شوہر کی لاش کے ساتھ جل کے خاک ہو جاتی تھی۔ اور اگر نہ جلی تو بھی باقی ماندہ زندگی ایسی کٹھن بیوگی میں کاٹ دیتی ہے جس سے زیادہ بے نفسی خالص محبت اور یکسوئی و یک جہتی کا نمونہ کوئی عشق نہیں ہو سکتا۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ عورت کے خیالات عشق جیسے سچے خالص اور بے لوث ہو سکتے ہیں ویسے مرد کے ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اور یہ دیکھ کے اگر شعرائے ہند نے عورت کو عاشق اور مرد کو معشوق قرار دے دیا تو ان کا یہ انتخاب حق بجانب ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ

ان اُمور کا لحاظ کرکے ہم عربون کے مذاق سے شعراے ہند کے اس نازک اور دلچسپ مذاق کو زیادہ پسند کرتے ہین - اصل حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے اس مذاق کو یہان کی ستی کی رسم اور یہان کی یوگی نے پیدا کیا - اگر ان دونون باتون نے عورت کی عاشقی کو ایسا خالص نہ بنا دیا ہوتا تو شاید شعرا کو یہ بات بھی نہ سوجھتی کہ شعر و سخن مین عورت کو عاشق قرار دے کے خود معشوقیت کا لباس عروسی پہن لین -

رہے فارسی کے عاشق و معشوق - گو فارسی شاعری ترقی کرکے عرش معلی پر پہونچ گئی ہو مگر سچ یہ ہے کہ دونون ناپاک ہین - اول تو سوا دردسرکے مصنوعی عشق کے ان دونون مین کوئی سچا رشتۂ محبت قائم ہی نہین ہو سکتا - مگر اس سے بھی بڑی بُرائی یہ ہے کہ یہ مذاق ایک نہایت ہی بُری اور ناپاک بداخلاقی کا محرک ہے - اور اسی کا اثر ہے کہ ہم ایران مین اور اُن تمام ممالک مین جہان فارسی شاعری کا اثر ہو چکا ہے امردون سے محبت کرنے اور اُن کے ساتھ ناجائز تعلقات پیدا کرنے کا مرض سارے ریشہ ریشہ مین پھیلا ہوا دیکھتے ہین - اس موقع پر یہ مسئلہ بھی غور طلب ہے کہ بداخلاقی ایران مین شاعری سے پیدا ہوئی یا شاعری کا یہ مذاق وہان اس بداخلاقی کی وجہ سے پیدا ہوا - اس مسئلے کے حل کرنے کے لیے تاریخ پر نظر ڈالنے سے بھی بمشکل کوئی نتیجہ حاصل ہو سکتا ہے -

دنیا مین یہ بداخلاقی قدیم الایام سے موجود ہے - کتب آسمانی کی تاریخ سے بہت پُرانے زمانے مین سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد مین اس بداخلاقی کا پتہ لگتا ہے جبکہ حضرت لوط کی اُمّت اس مہلک بداخلاقی مین مبتلا تھی - ہم نہین جانتے کہ قوم لوط کی شاعری مین مرد معشوق قرار دیا گیا تھا یا عورت لیکن اتنا معلوم ہے کہ عبرانی شاعری کا معشوق عورت تھی - جیسا کہ عربی شاعری مین ہے - اور اس سے امید کی جا سکتی ہے کہ قوم لوط کے شعرا کا مذاق بھی وہی عبرانیون کا مذاق ہوگا اور اُن کی شاعری اتنی گندی نہ ہوگی جتنا گندہ کہ اُن کا مذاق تھا - مگر ہمین اس کا پتہ نہین لگتا کہ بابل اور اسیریا والون اور نیز کلدانیون اور ساسانیون کا مذاق شاعری کیا تھا

بھی نہیں - ہم اس سے بھی بالکل ناواقف ہیں کہ فتوحات عرب سے پہلے ایرانیون کی شاعری کس حالت پر تھی - اور نہ اس کی خبر ہے کہ اُن لوگون مین یہ اخلاقی مرض تھا یا نہین - ہم نے کسی تاجدار عجم کی نسبت نہین سُنا کہ اُسے امردون اور خوش رُو لڑکون کی طرف توجہ تھی - خسرو پرویز ساسانیون مین نہایت شہوت پرست تاجدار اور پسندیدہ عشق نظر آتا ہے - مگر اُس کی صحبت کی دلچسپیان شیرین و شکر کی شیرین ادائیان تھین نہ کسی امرد لڑکے کی کرشمہ سازیان

اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ اسلام مین یہ بداخلاقی آئین الرشید کے عہد سے شروع ہوئی - اور بعض سلجوقی تاجدارون نے اِسے انتہا کے درجہ پر پہونچا دیا - مگر ہم ہرگز نہین کہ سکتے کہ ساسانیون یا اگلے ایرانیون کا دامن اس نجاست مین آلودہ تھا -

جہان تک قیاس سے کام لیا جا سکتا ہے ہم سمجھتے ہین کہ فارسی کی شاعری مین اس مذاق کا ذمہ دار تصوف ہے - تصوف مین عشق الٰہ نہایت ہی ضروری چیز تصور کیا گیا - کیونکہ بغیر عشق کے انسان کا خیال کسی ایک چیز پر قائم نہ ہو سکتا تھا - اور نہ انسان مین یہ یکی دُھن پیدا ہو سکتی تھی کہ ایک کے ہوئے تو اُسی کے ہو رہے - ان مجبوریون سے عشق اختیار کیا گیا - اور اس کے ساتھ یہ بات بھی بہت ضروری تھی کہ صوفی کا عشق بدکاری و شہوت پرستی تک منجر نہ ہونے پائے - یہ خیال پیدا ہوا اگر عورتون کے ساتھ عشق بازی کی جائے گی تو بہت کم ایسے لوگ ہون گے جن کے قدم کو لغزش نہ ہو جائے - لہذا عورتون کے عوض امرد لڑکون کا عشق اختیار کیا گیا - جس کی نسبت اطمینان تھا کہ یہ نہایت ہی سلامت روی کا عشق ہے - جس مین نہ کسی بداخلاقی کا خوف ہے اور نہ شہوت پرستی کا اندیشہ - افسوس اُس وقت یہ امر کسی کے خیال مین نہ تھا کہ اس سے بھی ایسی بدکاری پیدا ہو سکتی ہے جو سب سے زیادہ ناپاک اور شرمناک ہے -

تصوف فارسی شاعری مین روز بروز زیادہ پیدا ہوتا گیا - اور آخر سمجھا جانے لگا کہ جس شاعری مین تصوف نہین مزہ بھی نہین - غرض تصوف کی حکومت

فارسی شاعری پر جس قدر بڑھتی گئی اُسی قدر امرد پرستی کا مذاق بھی فارسی شاعری مین زیادہ ہوتا گیا - اور آخر یہ ہو گیا کہ فارسی شاعری کا عام معشوق لڑکا تھا نہ عورت -

فارسی کے اثر سے یہ ناپاک مذاق اُردو مین بھی پیدا ہوا جس نے فارسی ہی کے آغوش مین تربیت پائی تھی - لیکن اُردو مین یہ بُرا مذاق فارسی سے بھی زیادہ بدنما معلوم ہونے لگا - کیونکہ فارسی مین تذکیر و تانیث کا اثر جملہ پر بہت کم پڑتا ہے - اُس مین مذکر و مونث کا فرق نہین - نہ افعال تذکیر و تانیث سے بدلتے ہین نہ صفات - اُردو کی یہ حالت ہے کہ اِس مین مونث کے لیے فعل بھی بدل جاتا ہے اور صفتین بھی بدل جاتی ہین - فارسی مین کہین گے "آن یار دل ستان آمد" نہین کہہ سکتے کہ کوئی عورت مراد ہے یا مرد - لیکن جب اُردو مین کہین کہ "وہ پیارا دل چھین لینے والا آیا" تو صاف طور پر معلوم ہو جائے گا کہ معشوق مرد ہے -

اِس سے بھی زیادہ خرابی اُن ناسمجھ شعرا نے کی جنھون نے معشوق کو تو مونث ذکر بتایا مگر اُس کے اوصاف وصفات اور اُس کا حُلیہ اور لباس بیان کرنے پر آئے تو کُل چیزین عورت کی بیان کر گئے -

شاید بہتر ہو گا اگر ہمارے شعرا یا تو عربی والون کا مذاق اختیار کرین اور یا ہندی شعرا کے مطابق معشوق کو عورت قرار دینے کے عوض خود عورت بن جائین - یہ تغیر ابتداءً چند روز تک انوکھا اور غیر مانوس معلوم ہو گا لیکن جب کان آشنا ہو جائین گے تو نہایت لطف دینے لگے گا - اور شاید اِس طرح ہماری شاعری مین زیادہ جذبات پیدا ہو جائین گے -

جنید بغدادی

چند لکھنؤ کی خاص چیزین

پرفیومری ٹیبلٹس (یعنے عطر کی ٹکیان)

نفاست پسند شائقین اور زمانہ حال کے تعلیم یافتہ حضرات اس امر کے شاکی تھے کہ ہندوستانی عطر سے دھبا پڑجاتا ہے اور اسی لیے ہندوستانی عطر کی جگہ انگریزی لونڈر کا استعمال شروع کر دیا۔ انھین حضرات کی رفع شکایت کی غرض سے یہ لاجواب ایجاد **عطر کی ٹکیان** ہین جو ہر صورت دل و دماغ ملک و بیرون ملک کو فرحت بخشنے والی ہین۔ ان کے ملنے سے کپڑے پر بھی نام کو دھبا نہین آتا لیکن ایک ٹکیہ جیب مین رکھ لیجیے پھر آپ کو عطر کی شیشی کی ضرورت نہ پھاہون کی حاجت اور لطف یہ کہ کم خرچ بالانشین یعنے تھوڑی قیمت کی ٹکیا بھی بہت دیر تک دل و دماغ کو معطر و معنبر رکھنے کو کافی ہے۔ ان مین نہ کسی قسم کی چکناہٹ نہ کسی ممنوع و مشکوک شے کی آمیزش۔ ہماری تقلید مین دیگر حضرات نے بھی مختلف مقامات سے بنام عطر کی ٹکیون کے بنانے شروع کیے ہین۔ خریداری کے وقت یہ بات ملحوظ رکھنا چاہیے کہ وہ حضرات معمولی عطر سے ٹکیان تیار کرتے ہین اور چونکہ ہم خود عطر کا کارخانہ رکھتے ہین لہذا ہم اعلے درجے کے خالص عطرون سے۔ پس ہم اس قدر عرض کرنے کی جرأت کرتے ہین کہ آج تک جتنی ٹکیان بنتی اور بکتی ہین ان مین یہی ٹکیان سب سے اعلے کہی جا سکتی ہین۔

تفصیل قیمت		
قسم اول	قسم دوم	قسم سوم
بکس خورد ۶ ٹکیان ے	بکس خورد ۶ ٹکیان عہ	بکس خورد ۶ ٹکیان عمر
بکس کلان ۱۲ ٹکیان ے/	بکس کلان ۱۲ ٹکیان ے	بکس کلان ۱۲ ٹکیان [illegible]

نوٹ۔ چھوٹے بکس مین ۶ مختلف قسم کی اور بڑے بکس مین ۱۲ مختلف قسم کی ٹکیان ہوتی ہین۔ اگر کوئی صاحب کسی خاص قسم کی عطر کی ٹکیون کے خواہشمند ہون گے تو ان کی حسب مرضی اسی قسم کی روانہ ہو سکتی ہین۔

تنبول اودھ۔ یہ ایک دلاویز چکنی اور نفیس خوشبو کا مرکب ہے جس کو ایک چٹکی پان کے ساتھ کھانے سے نہایت لذیذ و خوش ذائقہ دہن و دماغ خوشبو سے معطر ہوجاتا ہے۔ اسکی خوشبو لطیف و نازک دیر تک بسی رہتی ہے پان مین رہنے تک منہ مین کوئی کمی نہین ہوتی ہے ذائقہ مین کسی کی تلخی بدمزگی نہین ہے۔ ہر طبقے مین اسکی عام مقبولیت اسکے ساتھ استعمال اسکی عمدگی و نفاست کی کافی دلیل ہے قیمت بھی ارزان فی ڈبیہ ۳/

منجن۔ یہ خوشبودار منجن دافع درد دندان و سوڑھون کے لیے نافع۔ بادی پن کی دافع سوڑھون سے خون بہنے کو مفید۔ دہنی بو کو دفع کرکے منہ مین خوشبو پیدا کرنے والا۔ دانتون کے کل امراض کو نہایت نفع بخش۔ مجلی و مصفی و مستحکم دندان۔ جس کے ملنے سے دانتون کی جڑین مضبوط ہو جاتی ہین۔ ہلتے ہوئے دانت بھی تھوڑے دنون کے استعمال سے جم جاتے ہین۔ قیمت فی تولہ ۱/

مسی خوشبودار۔ طبقۂ اناث مین جس پسندیدگی سے استعمال کی جاتی ہے اور ہندوستانی بناؤ سنگار مین جس خصوصیت کے ساتھ یہ شامل ہو جاتی ہے وہی اسکے عام پسند ہونے کا ثبوت ہے ہمنے خاص اہتمام اور کوشش سے اودی اور سیاہ رنگ کی مسی نہایت اعلے درجے کی تیار کرائی ہے جس مین علاوہ اوصاف مذکورہ بالا کے نہایت ہی خوشگوار بھینی بھینی خوشبو بھی ہے قیمت بہت مناسب رکھی گئی ہے۔ درجہ اول فی سیر للعہ/ درجہ دوم فی سیر ۸/ درجہ سوم فی سیر [illegible]

سرمہ۔ اس سرمہ کی تعریف صرف یہی نہین کہ عام طور آنکھون مین خوشنما سیاہی پیدا کرکے خوبصورتی و نظر فریبی لاتا ہے بلکہ حسب دستور تمام امراض چشم مثل ضعف بصارت و دھند تیرگی۔ سوزش۔ سرخی۔ خارش چشم۔ نزول آب کو نہایت مفید ہے قیمت بلحاظ فوائد اس شعر کے مصداق

گر متوقع نذر ہون مری قیمت یہ ہے
کہ رہے چشم خریدار پہ احسان میرا

المشتہر مصطفٰے خان [illegible]
چوک۔ سبزی منڈی۔ لکھنؤ